اعتبار بھری چھاؤں

سیدہ صدف

ناول

سیدہ صدف

اعتبار بھری چھاؤں

میں اس کی عزت تھی اور اپنی عزت کی حفاظت کے لیے وہ جان لے بھی سکتا تھا اور دے بھی سکتا تھا لیکن اگر میں عزت تھی تو میری عزت کیوں نہیں تھی؟ میرے جذبات، احساسات اور میری عزت کی کیا قدر تھی اس کی نظر میں، یہ جاننے کے لیے میں رک نہیں سکتی تھی کیونکہ محبت تو کی تھی مگر شاید اعتبار کو آزمانے کا حوصلہ نہ مجھ میں تھا اور نہ ہی اتنی بڑی آزمائش کا وہ متحمل ہو سکتا تھا۔

"یہ کیا ہو گیا۔۔۔ دینہ، ہوش کرو۔ اٹھو۔۔ دینہ اٹھو۔ بھاگو۔۔ بھاگو دینہ بھاگو۔ چاچا۔۔۔ چاچا۔۔ لے جاؤ اسے۔ دینہ، بھاگو۔ وہ آرہے ہیں۔ بھاگو میری جان بھاگو۔ دینہ۔"

دل دہلا دینے والی اس آواز کو سن کر دینہ کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلی اور وہ بستر میں اٹھ بیٹھی۔ گھپ اندھیرے میں اس نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی۔ وہ کمرے میں بالکل اکیلی تھی اور اس کا وجود پسینے میں شرابور تھا۔ تیز چلتی سانسوں اور ایک بے قابو گھوڑے کی طرح دھڑکتے دل کو سنبھالنے کے لیے اس نے اپنے کانپتے ہاتھ اپنے سینے پر رکھے۔ بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ابھی وہ پوری طرح سے سنبھل بھی نہ سکی تھی کہ کمرے کے دروازے پر ہونے والی دستک سے ایک بار پھر اس کی بے ساختہ چیخ سے کمرے کے در و دیوار ہلا گئی۔

"تم ٹھیک ہو؟" باہر کھڑا اسامہ نہ چاہتے ہوئے بھی بنا اجازت دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ دینہ نے اسامہ کو ایسے دیکھا گویا اس کی بات سمجھ نہ پا رہی ہو۔ اسامہ اس کے قریب بستر پر بیٹھا تو دینہ کی ڈر سے جان نکل گئی۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔" وہ پیچھے ہٹی۔ اس کی سرگوشی نما آواز کمرے میں چھائی خاموشی میں بامشکل اضطراب پیدا کر سکی۔

اسامہ نے مسکرا کر دینہ کو دیکھا اور اس کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما۔ "یار، اب میں کوئی ایسا بھی بد صورت نہیں ہوں کہ تمہیں چڑیل لگوں۔ سٹار ہوں یار۔ بہت سی لڑکیاں میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے مرتی ہیں اور یہاں تم ہو کہ میری شکل دیکھ کر چیخیں مارتی ہو۔"

"میری طرح اگر وہ تمہیں بغیر میک اپ کے دیکھ لیں تو تمہیں وہ کوئی چڑیل تو کیا ڈائن سمجھیں۔"

"گڈ، اس کا مطلب ہے تم مکمل طور پر ہوش و حواس میں آ گئی ہو۔" اسامہ زور سے ہنسا۔ دینہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکھ کر بھنویں چڑھائیں تو اس نے انتہائی ڈھٹائی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کندھے اچکائے گویا اس کی نظروں کا مطلب سمجھ نہ پایا ہو۔

"زیادہ رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاتھ چھوڑو۔"

"لو ہاتھ چھوڑ دیا۔" اسامہ نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ پلیز کچھ بنا دو۔"

"چوہے مار دوائی کھا کر سو جاؤ۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا۔" دینہ نے چادر سر تک تانتے ہوئے کہا۔ اسامہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔

صبح جب وہ کمرے سے نکلا تو حسب معمول گھر ناشتے کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اسامہ آنکھیں ملتا ہوا کچن کی میز پر جا بیٹھا۔

"کچھ تو شرم کرو۔ منہ تو دھو لیا کرو۔" دینہ نے اسے مڑ کر دیکھا تو چمچہ ہاتھ میں گھما کر بولی۔

"میری ماں بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں رات میں منہ دھو کر سوتا ہوں۔"

"واہ کیا انوکھی منطق ہے۔ تمہاری ممی جو تمہیں بچپن میں میرا شیر، میرا شیر کہتی تھیں ناں وہ سچ نہیں ہے۔" دینہ نے اسے کسی بچے کی طرح پچکارا۔ "منہ دھو کر آیا کرو۔"

"تمہیں جو میں کرایہ دیتا ہوں ناں وہ صرف کمرے اور کھانے کا ہے مفت کے مشوروں کے لیے نہیں ہے۔" اسامہ نے دانت پیسے۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آتی تم کس قسم کے سٹار ہو۔ سٹار لوگ تو اپنا بہت خیال رکھتے ہیں۔ سٹار ہی ہو ناں۔ کہیں اسامہ کے ڈبل تو نہیں ہو؟" اسامہ کو دینہ کے شکی انداز پر ہنسی آ گئی۔

"یار! ساری رات سے لکھ رہا تھا اوپر سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ بھوک سے مر رہا ہوں۔ جلدی دو ناں میرا ناشتہ۔" اسامہ ایکٹر ہونے ساتھ ساتھ رائٹر بھی تھا۔

"لو۔" دینہ نے پلیٹ میں اس کے لیے آملیٹ نکالا اور اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "تم رات بھر بھوکے کیوں رہے مجھے بتا دیتے میں کچھ بنا دیتی۔" اس کے چہرے سے ٹپکتی زبردستی کی معصومیت چیخ چیخ کر اس کی مکاری کی گواہی دے رہی تھی۔ اسامہ نے اسے گھورا۔

"میرے لیے شیک بھی بنا دو اور اپنا منہ بند کرو۔" ایسا سڑا ہوا جواب پا کر دینہ شرارت سے دانت نکالتے ہوئے شیک بنانے کے لیے مڑ گئی اور پھر یاد آنے پر جلدی سے بولی۔

"کل تمہاری دوست کومل کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ آج کا شو جلدی شروع ہو رہا ہے۔"

"کیا مصیبت ہے ڈی۔ مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا ناں۔ ابھی تو میرا کام بھی مکمل نہیں ہوا۔" اسامہ جھنجلایا۔

"شکر پڑھو میں نے ابھی بھی بتا دیا ہے۔ فون اٹھایا کرو ناں اپنا۔ کیوں نمبر بند کیا ہوا ہے؟"

"کیونکہ دماغ خراب ہے میرا۔" اسامہ پلیٹ پیچھے کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں دماغ تو واقعی تمہارا خراب ہے۔ مجھ پر کس بات کا غصہ نکال رہے ہو؟" دینہ اس کے لیے شیک گلاس میں ڈال کر مڑی تو اسے گھور کے بولی۔

"یار، کم سے کم کل بتا دیتی۔" اسامہ نے اپنے بالوں میں بے چینی سے ہاتھ پھیرے۔

"کیسے بتاتی تمہارا فون بند تھا اور رات میں تم اتنی دیر سے آئے کہ میں تمہارا انتظار کرتی کرتی سو گئی۔ اب صبح

جیسے ہی جاگے ہو میں نے بتا دیا۔ بیٹھ جاؤ، ناشتہ کرو اور بتاؤ تمہارے کسی سین کی لڑکی پھنس نہیں رہی ہے کیا؟"

دینہ نے پرشوق انداز میں دانت نکالے۔

"ہاں۔" اسامہ نے دائیں ہاتھ سے اپنی آنکھیں ملیں اور واپس بیٹھ گیا۔ " لکھ ہی نہیں پا رہا ہوں میں۔"

"مجھ سے ڈسکس کر لو۔ شاید میں کوئی مدد کر سکوں۔" دینہ نے پیشکش کی۔ اسامہ نے پہلے تو پُر سوچ انداز میں اسے دیکھا پھر فیصلہ کیا کہ اس سے پوچھا جا سکتا ہے۔

"دل توڑنا ہو یا اعتبار تو کیا توڑو گی؟" اس کی بھاری آواز میں مکمل سنجیدگی تھی۔

دینہ نے اپنے بھاپ اڑاتے مگ کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے بھاپ میں صفدر کی تصویر ابھرتے ہوئے دیکھی اور نظر اٹھا کر اسامہ کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں ایسا درد تھا کہ اسامہ کو اس کی نظر دل چیرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "ایک کے ٹوٹنے سے روح فنا ہو جاتی ہے اور دوسرے سے زندگی۔ بتاؤ کیا ٹوٹنا چاہیے؟"

"ٹوٹنا تو ایک بھی نہیں چاہیے لیکن اگر توڑو گی تو کیا توڑو گی؟" اسامہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے ایسے لگا جیسے درد انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا ہو۔

"دل۔" دینہ نے اسامہ کی نظروں میں نظریں ڈال کر کہا۔ " کیونکہ اعتبار کے ٹوٹنے سے درد، دل ٹوٹنے سے زیادہ ہوتا ہے۔" دینہ کی آنکھوں میں ابھرتا غم چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا کہ کسی نے اس کے اعتبار کے ٹکڑے کیے ہیں۔

"اعتبار ٹوٹا ہے تمہارا یا دل؟" اسامہ کی گہری آواز نے درد کے ان تاروں کو چھیڑا تھا جن پر وہ کتنے برسوں سے رقص کر رہی تھی۔ دینہ نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے دھیرے سے پلکیں جھکا لیں۔ وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی تھی اس لیے بس نرمی سے مسکرا کر اپنا مگ لے کر میز سے اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

"صفی بھائی! آپ کی شادی پر میں بہت گانے گاؤں گی اور آپ کے گھر پورا ایک مہینہ رہوں گی۔" دینہ نے تیز رفتار گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے یکدم گاڑی میں چھائی خاموشی توڑی۔

"چپ کر کے بیٹھو۔" اس سے پہلے کہ صفدر کوئی جواب دیتا امی نے اسے جھڑک کر چپ کروایا۔

"لو بھئی میں کیوں چپ کروں۔ اگر آپ نے مجھے نہ جانے دیا تو بتا رہی ہوں میں، کرمو چاچا کو کہہ کر خود ہی چلی جاؤں گی۔ آپ کو پتا ہے مونی پورا ایک مہینہ اپنے چچا کے گھر رہی ہے۔ ہر روز وہ مجھے تصویریں بھیجتی ہے۔ اس کے چچا کے بیٹے کی شادی ہے ناں۔ میں نے بس سوچ لیا ہے میں ہر روز نیا جوڑا پہنوں گی اور روز اس مونی کو تصویریں بھیجوں گی بلکہ میں انسٹا پر لگاؤں گی۔ مونی تو جل کر جل ککڑی بن جائے گی۔"

"تمہیں کہا ہے ناں چپ کرو۔" امی نے جھڑکنے کے ساتھ ساتھ آنکھیں دکھائیں تو دینہ منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے چپ ہوگئی۔ صفدر نے بیک ویو مرر میں دینہ کا پھولا ہوا منہ دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں چاچی سے کہوں گی کہ صفی بھائی کی دلہن کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی بہت سے کپڑے خریدیں۔" دینہ اس قدر اچانک بولی کہ امی ایک دم چونک گئیں۔

"لگاؤں کیا ایک؟" امی کا اٹھا ہاتھ دیکھ کر دینہ نے آنکھیں سکوڑ کر کے امی کو گھورا۔

"کنجوس کہیں کی" دینہ کی آواز میں اس قدر غم و غصہ تھا کہ صفدر کو اپنی ہنسی چھپانے کے لیے کھڑکی کی طرف منہ موڑنا پڑا۔ امی بس اپنا ماتھا پیٹ کر رہ گئیں۔

حویلی میں گاڑی رکی تو صفدر کے ڈرائیور نے جلدی سے اتر کے امی کی طرف کا دروازہ کھولا۔ صفدر گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھ گیا تو امی دینہ کو جھڑکنا نہ بھولیں۔ "چلو اندر" کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

"آ تو رہی ہوں۔" دینہ منہ پھلائے ہوئے ان کی دور ہوتی کمر سے مخاطب ہوئی۔

"صفی بھائی۔" صفدر بڑے تایا سے ملنے کے بعد واپس گاڑی کی طرف جا رہا تھا جب اسے اپنے پیچھے سے دینہ کی آواز آئی۔ آواز سن کر وہ رک گیا اور دینہ کی طرف مڑا۔

"کیا ہے؟" صفدر نے روکھے سے انداز میں پوچھا۔

"میرا ناں ایک کانٹا شاید آپ کی گاڑی میں گر گیا ہے۔ مجھے وہ ڈھونڈنا ہے۔ لیکن آپ کی گاڑی حویلی سے باہر ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں؟"

"نئے کانٹے لے لینا۔" صفدر کہہ کر آگے کی طرف بڑھنے کیلئے مڑا ہی تھا کہ دینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

صفدر اس کی اس جرأت پر ششدر رہ گیا۔

"پلیز، میرے پسندیدہ کانٹے ہیں وہ۔" دینہ نے التجا کی۔

"ہاتھ چھوڑو میرا۔" کچھ فاصلے پر کھڑے اپنے ڈرائیور کے سامنے اپنا ہاتھ دینہ کے ہاتھ میں دیکھ کر صفدر ناگواری سے چیخا تو دینہ نے اس کا ہاتھ ایک دم چھوڑ دیا اور اسے ڈری ہوئی نظروں سے دیکھا۔ "بڑی ہونے کی کوشش کرو۔"

ابھی تو صفدر مزید بھی ڈانٹنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر دینہ کی آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ اس قدر ڈر تھا کہ صفدر کو اپنے لہجے کی تلخی بے جا لگی۔ ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے صفدر نے اپنی آواز میں نرمی پیدا کی اور اسے نہ چاہتے ہوئے بھی آنے کی دعوت دی۔ "آؤ۔"

دینہ نے سر کو نفی میں ہلایا۔ "مجھے بھابھی کے پاس جانا ہے۔ آپ کی شکایت لگاؤں گی اور بھابھی آپ کے کان کھینچیں گی۔" بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کہ وہ تیزی سے مڑی اور اس سے پہلے کہ صفدر اسے روک سکتا وہ بھاگتی ہوئی اس سے دور ہوتی چلی گئی۔

"کب اتنی بڑی ہوگی کہ میں تمہیں بتا سکوں کہ تمہاری آنکھوں کی نمی مجھے تکلیف پہنچاتی ہے۔"

اس رات بستر پر لیٹے ہوئے صفدر نے دینہ کے کانٹے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے سوچا۔ دینہ اس کی بچپن کی منگیتر تھی لیکن صفدر نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ کوئی اس سے اس بات کا ذکر نہ کرے۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے مناسب عمر میں معلوم ہوتا کہ وہ عمر سے پہلے ہی صفدر سے جھجکنے نہ لگے لیکن اسے نہ بتانے کا نقصان یہ ہوا کہ اس کے زبان کے آگے جو خندق تھی اس کا اکثر شکار وہ خود ہی ہو جاتا تھا۔ صفدر نے مسکراتے ہوئے بستر میں کروٹ بدلی۔

"مجھے اس سے اتنی سختی سے بات نہیں کرنی چاہیے۔" صفدر کی آنکھوں کے سامنے اس کا سہا ہوا چہرہ گھوما۔

"صفی بھائی، آپ کی شادی پر میں ناں بہت گانے گاؤں گی اور آپ کے گھر پورا ایک مہینہ رہوں گی۔"

صفدر نے بے چینی سے کروٹ بدلی اور سوچا کہ جب اسے معلوم ہوگا کہ صفدر کی شادی کے بعد اسے پورا مہینہ نہیں پوری زندگی اس کے ساتھ گزارنی پڑے گی تو اس کا کیا ردعمل ہوگا۔ یہ سوچ اتنی دلکش تھی کہ صفدر نے فیصلہ کیا کہ وہ دینہ کو یہ بات خود بتائے گا۔

☆......☆......☆

اسامہ کمرے میں داخل ہوا تو اپنی میز پر رکھا نیا فون دیکھ کر کچھ حیران ہوا۔ اسے نیا فون تو چاہیے تھا مگر اس نے یہ آرڈر نہیں کیا تھا تو پھر یہ کہاں سے آ گیا۔ اپنا بیگ میز پر رکھتے ہوئے اس نے فون اٹھایا اور اس کے اوپر رکھے نوٹ کو دیکھ کر اسامہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر تھوڑا سا بھی احساس ذمہ داری ہو تو تمہیں اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ گھر میں کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ اس میں سم ڈالو اور یاد رہے، دیر سے آنے کی صورت میں اس کا استعمال حلال ہے۔" اسامہ نے نوٹ کو ہاتھوں میں گولا بنا کر پاس پڑی ٹوکری میں ڈال دیا اور فون کی طرف شکر گزار نظروں سے دیکھا۔ اس کا اپنا فون بہت دنوں سے خراب پڑا تھا مگر وقت نہ ہونے کے باعث وہ خرید نہیں پا رہا تھا۔ اسامہ نے گھڑی پر وقت دیکھا، صبح کے تین بج رہے تھے۔ اس نے صبح میں اسے شکریہ کہنے کا فیصلہ کیا اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔

چند قریبی دوستوں کی بار بار ملنے کی ضد پر اسامہ نے اپنے دوستوں کو گھر پر ہی بلا لیا تھا۔ ان میں سے چند کا تعلق ایکٹنگ سے تھا اور باقیوں کا تعلق بزنس سے تھا۔ اسامہ کی صبح سے دینہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ صبح سے کمرے سے نکلی ہی نہیں تھی۔ اس نے تو کچھ پکانے کی بھی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ ایسا اکثر ہی ہوتا تھا کہ جب دینہ اپنی لکھائی میں مگن ہوتی تو وہ نہ کسی سے ملتی نہ بات کرتی اور نہ ہی گھر کا کوئی کام اور بات کرنے پر تو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ اب تو اسامہ غیر محسوس طور پر خود ہی گھر کی ذمہ داری اٹھا لیتا تھا۔

اسامہ اپنے دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا جب اس نے دینہ کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ وہ صبح سے مسلسل کچھ کھائے پیئے بنا کام کر رہی تھی۔ اسے چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

"ہیلو۔" دینہ کچن میں جاتے جاتے یک دم چونک کر رکی۔

"ہائے۔" اسامہ کے دوستوں کا مشترکہ ہائے سنائی دیا۔

"آپ شہریار خان ہیں ناں؟" دینہ نے کچھ جوش سے کہا تو شہریار نے مسکراتے ہوئے تصدیق کی۔

"میں آپ کے ڈرامے دیکھتی ہوں، بہت اچھی ایکٹنگ کرتے ہیں۔" شہریار مسکراتے ہوئے ابھی تھینک یو کہنے ہی والا تھا کہ اس کی اگلی بات پر اس سمیت کوئی بھی اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔

"تھوڑی ایکٹنگ اسامہ کو بھی سکھا دیں۔"

اسامہ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔لیکن دینہ کا رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"خاص طور پر رومینٹک ، خدا کی قسم اس کی رومینٹک ایکٹنگ دیکھ کر بندہ پریشان ہی ہو جاتا ہے اور آپ تو ایسی ایکٹنگ کرتے ہیں کہ سوچنا پڑتا ہے کہ ایکٹنگ کر بھی رہے ہیں یا سچ میں رومینٹک ہو رہے ہیں۔کیا آپ حقیقت میں بھی اتنے رومینٹک ہیں؟" دینہ نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم کچھ لینے آئی تھی؟" اس سے پہلے کہ دینہ کے منہ سے مزید شگوفے پھوٹتے اسامہ نے کھردرے سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو لو اور جاؤ ناں۔"

"جا رہی ہوں۔" دینہ نے منہ بنا کر کہا۔" آپ سب سے مل کے اچھا لگا۔" اس نے سب کو ہاتھ ہلایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔اس نے اپنے لیے چولہے پر چائے چڑھائی اور وقت گزارنے کے لیے اپنا فون چیک کرنے لگی۔

"ڈی، تم نے کچھ کھایا؟" دینہ نے نظر فون سے ہٹا کر اسامہ پے ڈالی اور نفی میں سر ہلایا۔

" کچھ کھا تو لیا کرو یار۔ میں تمہارے لیے کچھ لاتا ہوں۔" اسامہ نے لاؤنج میں رکھے لوازمات میں سے چند اس کے لیے پلیٹ میں ڈالے تو اسکے دوستوں نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا۔اسامہ پلیٹ لے کر دینہ کے پاس گیا۔

"یہ لو، کھاؤ کچھ اور جاؤ، میں چائے دے دونگا تمہیں۔" اسامہ نے اسے ہاتھ میں پلیٹ تھمائی اور اسے کمرے کی طرف نرمی سے دھکیلا۔دینہ کے کمرے میں جاتے ہی اس کے دوست اس کے گرد جمع ہو گئے۔

"چائے بنا رہے ہو؟" ماہین نے تیز تیز پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھو بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسامہ نے خطرناک انداز میں خبردار کیا۔

" کوئی وجہ تو ہے کہ اسے تمہارا رومینس پسند نہیں ہے۔" شہریار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

" کمینو۔ بے غیر تو، وہ مذاق کر رہی تھی۔"

"مجھے تو لگتا ہے اشارہ دے رہی تھی۔" مصطفیٰ کی بات پر سب ہنسے۔

"شرم کرو کچھ یار۔" اسامہ نے چائے کا کپ نکالا اور اس پر چھنی رکھی۔

"حرکتیں تم کرو اور شرم ہم کریں اور تم نے گھر کے کام کب سے سیکھ لیے؟" شہریار نے پوچھا تو نہایت سنجیدگی سے تھا مگر دوستوں کا قہقہہ ایک ساتھ بلند ہوا۔

"میں اسے چائے دے کر آتا ہوں۔" اسامہ نے چائے کپ میں ڈالی اور ان کی ساری باتوں کو اگنور کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا لیکن دوستوں کی شرارتی ہنسی نے کمرے کا دروازہ بند ہو جانے تک اس کا پیچھا کیا۔

"ڈی، یہ لو چائے۔" اسامہ نے کمرے کے درمیان کھڑی سوچ میں گم دینہ سے کہا۔

"تھینک یو۔"

"میرے دوستوں کے سامنے تھوڑی میری عزت چھوڑ دیتی۔" شکوہ تو بنتا تھا۔

"میں نے تو سچ کہا تھا۔ رومینس میں تم بالکل ہی بے کار ہو۔" دینہ نے چائے کا کپ میز پر رکھنے کے لیے مڑی۔

"اچھا۔" اسے اپنے پیچھے اسامہ کی چیلنج سے بھرپور آواز سنائی دی مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ اسامہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس اپنی طرف گھمایا۔ دینہ آنکھیں پھاڑے اسے حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔ اسامہ گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے ایک قدم قریب ہوا تو دینہ کی آنکھیں کچھ اور بھی کھل گئیں۔

"کیا کر رہے ہو اسامہ؟" دینہ پیچھے ہٹی۔

"تمہیں دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ تم پہلے کبھی اتنی خوبصورت کیوں نہیں لگی۔"

دینہ اسامہ کی گہری نظروں اور بھاری آواز کی تاب نہ لاتے ہوئے مزید چند قدم پیچھے ہٹی۔

"وہ اس لیے کہ تمہاری دور کی نظر کافی کمزور ہے اور قریب سے دیدار کا موقع تمہیں پہلی دفعہ مل رہا ہے۔" دینہ نے منہ بگاڑ کر اس کی طرف کمر موڑ لی لیکن غیر متوقع طور پر اسامہ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے پھر سے اپنی طرف گھمایا تو دینہ کو یک دم ہی خوف نے آگھیرا۔

"پیچھے ہٹو اسامہ۔" دینہ نے اسامہ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیلا مگر وہ ایک قدم بھی نہیں ہلا۔

"وہ کہتے ہیں ناں کہ۔۔" وہ دینہ کی طرف جھکا تو دینہ کا دل اچھل کر اس کی حلق میں آ گیا "ایک دفعہ جو دکھ جائے اسے ان دیکھا نہیں کیا جا سکتا۔" اسامہ نے ان کے بیچ کا فاصلہ کچھ اور بھی کم کیا اور دینہ کے کان کے پاس سرگوشی کی۔ "اب تو قریب سے دیکھ چکا ہوں تو دل بے قابو سا ہو گیا ہے۔"

اسامہ اتنا قریب آ گیا تھا کہ اس کی گرم سانسیں دینہ کی گردن کو چھو رہی تھیں۔ دینہ کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اسے لگا پسلیاں توڑ کے باہر آ جائیگا۔

"تم بہت خوبصورت ہو ڈی۔" جیسے کمرے کی تنہائی میں اس کی بھاری آواز کا سحر کافی نہیں تھا کہ اس نے دینہ کا ہاتھ بھی اپنے گرم ہاتھوں میں تھاما۔ دینہ کی نظریں خود بخود ہی جھک گئیں۔ اس کے گالوں کی لالی بتا رہی تھی کہ وہ اسامہ کی قربت سے گھبرا رہی ہے۔

"تمہاری آنکھوں میں خود کو کھوتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔" اسامہ نے اس کی تھوڑی کو اپنے انگوٹھے اور انگلی کے بیچ پکڑ کو اس کا چہرہ اونچا کیا تو دینہ نے عجیب سی بے بسی سے اپنی نظریں اٹھائیں اور اسامہ کی سمت دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے خوف اور آنسوؤں کو دیکھ کر اسامہ یکدم ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔

"ڈی، میں مذاق کر رہا تھا۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ "قسم لے لو صرف تنگ کر رہا تھا تمہیں۔"

دینہ کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑتے ہوئے اس کے گالوں پر بہنے لگے تو اسامہ بوکھلا گیا۔

"ڈی، آئم سو سوری۔" اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو چنے تو دینہ بلک پڑی۔ "او گاڈ ڈی، آئم سوری۔"

اسامہ نے روتی ہوئی دینہ کو اپنے بازوؤں کے مضبوط حصار میں لیتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

دینہ چند لمحے اسی طرح روتی رہی جب اسامہ کی بات سن کر دینہ کو روتے روتے ہنسی آ گئی۔

"ڈی، پلیز چپ ہو جاؤ۔ یار اتنی بھی بری نہیں تھی میری رومینٹک ایکٹنگ کہ تم اتنے زور سے رو رہی ہو۔" اس کی کھلکھلاتی ہنسی سن کے اسامہ نے اسے خود سے علیحدہ کیا اور اس کے گالوں پر سے اسکے آنسو صاف کیے۔

"قسم لے لو میں رومینس کے لیسنس لوں گا شہریار سے۔"

دینہ ایک بار پھر سے کھلکھلائی تو اسامہ نے غیر اختیاری طور پر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ چند لمحے دینہ اسامہ کے بازوؤں کے حصار میں ایسے ہی کھڑی رہی جب اسے اچانک یہ احساس ہوا کہ وہ کس قدر نامناسب حرکت کر رہی ہے۔ وہ کچھ نروس سے ہو کر اسامہ کے حصار سے باہر نکلی۔ اسامہ نے ایک گہری سانس بھری اور نہ چاہتے ہوئے اسے جانے دیا۔

"چلو میں جا رہا ہوں۔" اسامہ کے کہنے پر دینہ نے سر اثبات میں ہلایا لیکن بولی کچھ بھی نہیں۔

"خیر تو ہے اندر اپنے ہاتھوں سے تو نہیں کہیں چائے پلا کر آئے ہو؟" اس کے باہر نکلتے ہی وہ اپنے دوستوں کے ہاتھ لگ گیا۔

"ڈی۔"

اگلی صبح جب اسامہ گھر سے نکلنے لگا تو اسے دینہ کا نوٹ یاد آ گیا۔ دینہ لیپ ٹاپ میں سر دیئے بیٹھی تھی جب اس نے اسامہ کی آواز پر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں آج دیر سے آؤں گا۔"

"شکر ہے خدا کا۔" دینہ نے بے اختیار کہا۔

"کیا کہا ہے تم نے؟" اسامہ نے اسے ہولناک نظروں سے گھورا۔

"کچھ نہیں۔" دینہ نے معصومیت سے کندھے اچکائے۔

"بدتمیز۔" اسامہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

"میں کچھ نہیں جانتی امی۔ مجھے ہر حال میں کالج جانا ہے۔ دیکھیں تو کتنا اچھا نتیجہ آیا ہے میرا"

دینہ کو جب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کے بڑے بھائی ملک سکندر ولی نے اس کے مزید پڑھنے پر پابندی لگا دی ہے تب سے وہ اپنی امی کے سر ہوئی پڑی تھی۔ بھابی تو اللہ میاں کی گائے تھیں اپنے میاں سے اتنا ڈرتی تھیں کہ ان سے کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔

"دینہ، سنبھل جاؤ۔ بڑی ہو گئی ہو۔" امی نے غصے سے اسے گھورا۔

"ہاں تو بڑے ہونے کا تو یہ مطلب ہے ناں کہ میں اور آگے پڑھوں۔ نہ کہ آپ مجھے گھر بٹھا دیں۔"

"تمہارے بھائی نے منع کیا ہے۔"

"ہاں تو آپ بات کریں ناں۔ آپ ان کی ماں ہیں یا وہ آپ کی ماں ہیں؟"

"کچھ تو اس قینچی جیسی چلنے والی زبان کو لگام دو۔ سن لیا ناں اس نے تو گدی سے کھینچ لے گا۔" امی نے خبردار کیا۔

"ویسے میں بتاؤں یہ ممکن نہیں ہے۔ زبان پر اتنی پھسلن ہوتی ہے کہ کوئی بھی اسے اتنی زور سے نہیں کھینچ سکتا کہ گدی سے نکال لے۔" دینہ کی بات مکمل ہونے کی دیر تھی کہ ایک اڑتی ہوئی جوتی اس کی طرف لپکی جس سے وہ بروقت حرکت میں آنے کی وجہ سے بچ گئی۔

"اس سے اگر یہ بکواس کی ناں تو تجھے وہ گدی سے کھینچ کے بھی دکھا دے گا۔" امی کو جلال آچکا تھا مگر دینہ ہی کیا جس پر امی کے جلال کا اثر ہو جائے۔

"یہ سائنس کی بحث چھوڑیں امی، آپ اپنے ماں ہونے کا فرض ادا کریں اور اپنی بیٹی کے حق میں آواز بلند کریں۔" دینہ نے ایک نادیدنی جھنڈا اپنے ہاتھ سے بلند کیا۔

"فی الحال تو تم یہاں سے نکل جاؤ، تمہارے لیے بہت مناسب ہوگا۔" امی کی نظروں میں اس قدر خون اتر آیا تھا کہ دینہ نے اپنے لمبی چوڑی تقریر کا ارادہ ملتوی کر دیا اور مایوسی سے امی کی طرف ایک آخری نظر ڈالی کہ شاید انہیں رحم آجائے۔ لیکن امی اس وقت ماں کم اور ڈریکولا زیادہ لگ رہی تھیں جو بس اسی انتظار میں تھیں کہ کب وہ ہاتھ آئے، کب وہ اس کی گردن پر اپنے دانت رکھ کر اس کا خون چوس جائیں۔ کچھ منہ سا بنا کر دینہ ابھی مڑنے ہی والی تھی کہ اسے کچھ فاصلے سے صفدر آتا دکھائی دیا۔ اس کے دماغ کی بتی فل واٹ سے جلی کہ یہی بندہ اس کی آخری امید ہے۔

"السلام علیکم تائی امی۔" انہوں نے دینہ کو بالکل ہی اگنور کر کے تائی کو سلام کیا تو دینہ کا دل کچھ بیٹھنے سا لگا۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔ کیسے ہو؟" امی کا موڈ تو ایسے بدلا جیسے صفدر بھائی نہ آئے ہوں کوئی کوہ قاف کا شہزادہ آگیا ہو لیکن یہ تو درحقیقت کسی شہزادے کی دو نمبر کاپی بھی نہیں لگتے۔ دینہ نے منہ بنا کر سوچا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تائی، سکندر بھائی کہاں ہیں؟"

"صفی بھائی سکندر بھائی سے ملنے آئے ہیں تو مطلب دینہ ابھی ہی آر یا پار کرنا ہوگا، " دینہ نے سوچا اور جھٹ سلام ٹھوک ڈالا۔ صفدر نے ٹھنڈا سا سلام کا جواب دیا تو دینہ نے دل میں تو دس دس باتیں سنائیں مگر چہرے پر مسکراہٹ سجھائے رکھی۔ آخر اس سے کام بھی تو نکلوانا تھا۔

"بیٹا، سکندر تو شاید اپنے میں کمرے میں ہے۔ تم بیٹھو۔ " انہوں نے جس قدر شائستگی اور محبت سے صفدر سے کہا اسی قدر سختی اور کھردرے انداز میں دینہ سے مخاطب ہوئیں۔ " تم کیا توتھ پیسٹ کا اشتہار بنی ہوئی ہو جاؤ جا کر بھائی کو بلاؤ، بتاؤ صفدر آیا ہے۔ "

" تائی، میں خود ہی چلا جاتا ہوں " اس سے پہلے کہ دینہ کے جسم میں جنبش بھی ہوتی صفدر کے جسم میں حرکت آگئی۔ دینہ نے بوکھلا کر پاس سے گزرتے صفدر کا ہاتھ تھام لیا۔ مبادا اس کے جانے کے ساتھ ساتھ بات کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ صفدر تو اس کا ہاتھ تھامنے پر ایسا ششدر رہوا کہ اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے اور فاصلے پر بیٹھی امی کی تو روح ہی فنا ہوگئی۔

" صفی بھائی، امی سے کہیں ناں، مجھے کالج میں داخلہ لینے دیں۔ " دینہ نے معصوم بننے کی اوورا یکٹنگ کی تو صفدر کے دل کی تاروں کو کچھ ایسے چھو گئی کہ اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔

" پڑھنا چاہتی ہو؟ " صفدر نے نہ چاہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آزاد کرایا۔ امی نے تو شرمندگی سے اپنا سر پیٹ لیا۔

" ہاں ناں لیکن امی کو دیکھیں ذرا خود تو پڑھا نہیں۔ میری دشمن بنی ہوئی ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں ناں آج کل کے زمانے میں کوئی عزت ہوتی ہے انسان کی کہ وہ بس میٹرک پاس ہو۔ بتائیں ذرا؟ " دینہ نے پلکیں جھپک جھپک کے کہا تو صفدر کو اس کی بات اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

" بیٹے! تم جاؤ یہ تو خواہ مخواہ فضول باتیں کرتی ہے۔ میں اسے سمجھا دونگی۔ " امی نے صفدر سے نرم لہجے میں کہا اور دینہ کو غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

" میں نہیں سمجھوں گی امی۔ " دینہ مچلی اور پھر صفدر کی طرف متوجہ ہوئی۔ " پلیز صفدر بھائی۔ " اس نے ایک بار پھر صفدر کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور التجا کی۔ اب تو صفدر چاہتا بھی تو انکار نہیں کرسکتا تھا۔

"آپ ناں بھائی سے بات کریں۔ امی سے تو بات کا کوئی فائدہ نہیں۔ بھائی کون سا امی کی بات مانتے ہیں۔" دینہ نے مسکراتے ہوئے صفدر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ صفدر گویا سکتے کی کیفیت سے ایک دم باہر آیا ہو۔ وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ ابھی تو اپنے پلان کی کامیابی کی خوشی میں دینہ کے چہرے کی مسکراہٹ ہٹی بھی نہ تھی کہ امی کی جوتی عین نشانے پر لگی اور دینہ ہائے ہائے کرتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

وقت بھاگتے دوڑتے گزر گیا، دینہ نے پورے بورڈ میں ٹاپ کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی ضد زور پکڑ گئی کہ اسے آگے پڑھنا ہے لیکن اتنی ضد کے باوجود اس دفعہ اسے اپنی دال گلتی ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ امی نے اس پر سختی سے پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ صفدر سے کسی صورت بات نہیں کرے گی۔ صفدر کا ہاتھ پکڑنا اسے مہنگا پڑ گیا تھا۔ وہ سخت گرمی کی دوپہر میں درخت کے سائے میں بیٹھی املی کھا رہی تھی جب اچانک ہی اسے اپنے اوپر ایک سایہ سا محسوس ہوا۔ اس نے کچھ ڈر کر اتنی تیزی سے سر گھما کر دیکھا کہ اسکے کھلے بال اس کے کندھے پر ریشم کی طرح بکھر گئے۔

"السلام علیکم عالیان بھیا۔" وہ جھٹ کھڑی ہوئی اور سر پر دوپٹہ کیا، مبادا ڈانٹ ہی پڑ جائے۔ عالیان نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟"

"املی کھا رہی ہوں۔" وہ دھڑام سے واپس زمین پر جا بیٹھی۔

"باقی سب کہاں ہیں؟" عالیان کی نظر اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی۔ شفاف رنگت، گہری سبز آنکھیں، پھولوں جیسے گال، نرم گلابی ہونٹ، ریشمی بال اور نازک بدن۔ اوپر سے قاتل معصومیت۔

"سب سوئے ہوئے ہیں۔"

"تم باہر گرمی میں کیا کر رہی ہو؟"

"سوچ رہی ہوں کچھ۔ آپ کیا شرلاک ہومز ہیں؟ جائیں یہاں سے۔ بھائی اپنے کمرے میں ہی ہونگے۔" انداز میں بے نیازی ہی بے نیازی تھی۔

عالیان کے دل کو اسکی ہر ادا بھا رہی تھی۔ "جب سب سوئے ہوئے ہیں تو میں تمہارے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔"

"توبہ کریں یہ جو دو بال رہ گئے ہیں ناں امی یہ بھی جوتوں سے اتار دیں گی۔"

"کیوں بھئی تمہارے پاس بیٹھنے میں ایسا کیا غلط ہے؟"

"مجھے نہیں پتا، امی سے پوچھیں۔" دینہ نے موقع محل دیکھتے ہوئے منہ بنایا اور ایک دم اس کی طرف پلٹی۔ "امی کہتی ہیں میں بہت بولتی ہوں اور اناب شناب بکتی ہوں۔ اب آپ ہی بتائیں اتنی دیر میں، میں نے کوئی غلط بات کی ہے کیا؟"

"نہیں۔" عالیان نے کچھ پیچھے ہٹتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"خیر چھوڑیں، آپ جائیں اس سے پہلے کہ امی آجائیں اور میری شامت مفت میں آجائے۔ ویسے آپ کو پتا ہے میں نے ایف ایس سی میں ٹاپ کیا ہے۔"

"ہاں، معلوم ہے مجھے۔"

"پھر آپ ہی بتائیں مجھے آگے پڑھنا چاہیے کہ نہیں۔ اتنی لائق ہوں میں۔ آپ بھی اتنے لائق نہیں ہیں۔ لیکن نہیں جی امی کی تو الٹی ہی مت ہے۔"

"ابھی تک کیسے پڑھا ہے؟"

"وہ تو صفی بھائی نے ایڈمیشن کرا دیا تھا۔ ورنہ تو میرے نصیب میں امی کی جوتیاں ہی ہیں۔"

"تو ابھی بھی صفی بھائی سے کہو۔" عالیان نے جھٹ مسئلے کا حل پیش کر دیا۔

"لو جی! آپ بھی نہ بالکل ہی پاگل ہیں۔ ابھی تو بتایا ہے امی تھانیدارنی بنی ہوئی ہیں۔ کہتی ہیں کسی سے نہیں ملنا، کسی سے بات نہیں کرنی۔ کہتی ہیں کہ اگر صفی بھائی کی شکل بھی دیکھی تو چھترول کریں گی۔"

"تم صفی بھائی کو فون کر لوناں۔ شکل دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہائے سچی۔" دینہ جوش میں آکر فوراً کھڑی ہوگئی لیکن اگلے ہی لمحے جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" عالیان نے بھنوئیں اچکائیں۔

"میرے پاس تو صفی بھائی کا نمبر ہی نہیں ہے۔"

"میں دے دیتا ہوں۔" عالیان تو گویا رحمت کا فرشتہ بن کے آیا تھا۔ دینہ نے صفی کا نمبر اپنے موبائل میں نوٹ کرلیا اور عالیان کو الوداع کر کے چھمکتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ابھی وہ میسج کرنے ہی لگی تھی کہ اوپر سے امی آگئیں۔ امی کو دیکھ کر تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ اس نے میسج کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

پورا دن بے چینی میں گزرا۔ بالآخر رات کے وقت جب سب سو گئے تو اس نے جتنی آتی تھی وہ ساری دعائیں پڑھ کر فون پر دم کیا اور میسج ٹائپ کرنے لگی۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر یہ صفی کا نمبر نہ ہوا تو وہ بن موت ماری جائے گی۔ اس لیے پہلے چیک کرنا چاہیے کہ نمبر درست بھی ہے کہ نہیں۔

صفدر نیند سے سخت بے حال تھا۔ اس نے اپنا فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور بستر میں گھس گیا۔ ابھی اس کی آنکھ بامشکل بند ہی ہوئی تھی کہ اسے میسج کی ٹون سنائی دی۔ اس کا میسج دیکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس نے بیل بند کرنے کی غرض سے فون اٹھایا اور بیل بند کرتے کرتے نوٹیفکیشن پر اس کی نظر پڑی۔ تجسس جب کچھ بڑھا تو اس نے میسج کھول ہی لیا۔

"صفی بھائی؟"

یہ میسج دیکھ کر صفدر سوچ میں پڑ گیا کہ آخر رات کے اس پہر کون میسج کر سکتا ہے۔ وہ بستر میں سیدھا ہو بیٹھا۔

"کون؟" اس نے واپس میسج کیا۔

"پہلے میں نے میسج کیا ہے ناں آپ جواب دیں۔ اسکول میں دل لگا کر پڑھا ہوتا تو استانی جی اسکول میں سکھاتی ہیں اسکول کے جواب میں سوال نہیں لکھتے۔"

اس بے تکی تقریر کے بعد کوئی شک نہیں رہ جاتا تھا کہ میسج دینہ کا ہے۔ صفدر کی نیند بھک سے اڑ گئی۔ اس نے میسج ٹائپ کرنا شروع کیا لیکن پھر کچھ سوچ کے اس نے فون ہی ملا لیا۔

کال آتے دیکھ کر تو دینہ کے پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی۔ "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" کہتی ہوئی دینہ نے بالآخر فون اٹھا ہی لیا۔

"ہیلو۔" اس کا جھجکتا ہوا ہیلو سن کے صفدر کے لبوں پر تبسم بکھر گیا۔

"دینہ؟" ایک لفظ کہنے کی دیر تھی کہ اس کی ٹرین چھوٹ گئی۔

"صفی بھائی! میں کان پکڑ کے معافی مانگتی ہوں۔ آئندہ آپ کو کبھی میسج نہیں کروں گی۔ بس امی کو مت بتائے گا۔ خدا کی قسم ان کا تعلق تو کسی پنجابی ہلاکو خان سے ہے۔ جوتوں سے ایسی پٹائی کرتی ہیں کہ تلوار نکالنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اگر آپ نے انہیں بتا دیا تو ان کے اندر تو اصل ہلاکو خان کی روح جاگ جائے گی اور وہ دادا ابا کی تلوار نکال کر مجھے کوئی بھیڑ بکری سمجھ کر ذبح کر کے میری تکہ بوٹی بنا کر ابا کے کتوں کو کھلا دیں گی۔"

صفدر کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ اپنی ہنسی پر قابو کیسے رکھے۔ اس کی یہی باتیں تو اس کے دل کو چھو جاتی تھیں۔ صفدر کی خاموشی کا غلط مطلب سمجھتے ہوئے دینہ نے ایک بار پھر التجا کی۔

"صفی بھائی پلیز، امی کو نہیں بتایئے گا۔"

"نہیں بتاؤں گا۔" صفدر کی یقین دہانی پر دینہ کی جان میں جان آئی تو اس نے سوچا بہتر ہی ہے کہ صفدر سے بھی جان چھڑائی جائے۔

"ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔ خدا حافظ۔"

"ارے ایک منٹ۔" صفدر نے جلدی سے کہا کہ کہیں وہ فون رکھ ہی نہ دے۔

"جی صفی بھائی۔" اس نے دل ہی دل میں دعاؤں کا ورد شروع کر دیا تھا کہ کسی طرح صفی سے جان چھوٹ جائے۔

"میسج کیوں کیا تھا؟"

"وہ غلطی سے ہو گیا تھا۔" دینہ نے جھوٹ بولا۔

"غلطی سے میرا نام لکھ کر کس کو بھیج رہی تھی؟" صفدر مسکراتے ہوئے بولا۔

"چھوڑیں ناں صفی بھائی۔ بس اگنور کریں آپ۔ سمجھیں آپ نے کبھی ایسا کوئی میسج دیکھا ہی نہیں۔"

"ایسے کیسے اگنور کروں، بتاؤ جلدی۔"

"آپ کے خاندان کا تعلق کوئی جاسوسوں کے ٹولے سے ہے کہ بال کی کھال اتار لیتے ہیں۔ ایک بھائی شرلاک ہومز بنا ہوا ہے تو دوسرا 007۔ لو بتاؤ چھوڑیں بس۔ مٹی پائیں۔"

"کیا بول رہی ہو تم؟" صفدر کسی صورت اسے فون بند نہیں کرنے دینا چاہتا تھا۔ "چلو کل آتا ہوں پھر تائی امی سے پوچھتا ہوں۔"

"ہائے اللہ، صفی بھائی آپ نے تو وعدہ کیا تھا؟"

"تو بتاؤ میسیج کیوں کیا تھا؟"

"مجھے آگے پڑھنا ہے۔"

"اچھا، تو اس کے لیے میرا خیال کیوں آیا؟"

صفدر کی بات سن کی دینہ نے ناک پھلائی اور دل ہی دل میں سوچا۔ "اللہ میاں ان کے جسم سے اس جاسوس کی روح تو نکال دے"

"بولو بھی۔"

"وہ آخری دفعہ بھی تو آپ کے کہنے پر ایڈمیشن ہوا تھا ناں میرا۔ میں نے سوچا اگر آپ اب بھی کہہ دیں تو میری تو بلے بلے ہو جائے گی۔ اب آپ دیکھیں ناں میں کتنی لائق ہوں لیکن امی تو میرے ارمانوں کی دشمن بنی ہوئی ہیں۔ مجھے لگتا ہے امی کے اندر کسی جلاد کی روح ہے۔ بھلا بتاؤ ایک ہی...... ایک تو میں ان کی بیٹی ہوں اور ہر وقت کہتی رہتی ہیں بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔ اب اگر پرائی ہی ہوتی ہیں تو چند دن تو سکھ کا سانس لینے دو لیکن نہیں، انہوں نے اپنے اوپر ہوئے سارے ظلم و ستم کا بدلہ مجھ غریب سے لینا ہے۔ آپ ہی بتائیں یہ کوئی انصاف کی بات ہے۔" دینہ تیز تیز بولتی گئی۔

"تمہاری تو زبان کے آگے خندق ہے۔"

"لو بھلا زبان کے آگے خندق کیسے ہو سکتی ہے۔ میری زبان کے آگے تو بتیس دانت ہیں۔ جن پر تو امی کا بس نہیں چلتا کب نکال کے میرے ہاتھ میں دے دیں۔"

"کتنا بولتی ہو۔" صفدر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"اچھا پھر نہیں بولتی ہوں۔" دینہ خفا ہوئی۔

"چلو تم فکر نہ کرو میں بات کروں گا۔"

"میرا نام تو نہیں بتائیں گے ناں؟"

"نہیں بتاؤں گا۔" صفدر مسکرایا۔ "ویسے تائی امی کو اعتراض کیا ہے؟"

"امی تو بس چابی کی گڑیا ہیں۔ بھائی چابی دے دیتے ہیں امی ہلتی رہتی ہیں۔ بس مجھے دیکھ کر حرکت میں برکت کے ساتھ ساتھ جلال بھی آجاتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" صفدر کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"دیکھیں ناں، میں نے اتنا معقول مشورہ دیا لیکن نہیں امی نے ایسا میرا نشانہ لیا کہ کیا بتاؤں۔ اب تو امی کے جوتے بھی ٹرین ہوگئے ہیں ابھی امی ہاتھ سے چھوڑتی بھی نہیں ہیں کہ وہ لپک کے مجھے آپڑتے ہیں۔"

"کیا مشورہ دیا تھا؟" صفدر نے ہنستے ہنستے پوچھا۔

"میں نے کہا دیکھیں میرا ایڈمیشن آپ کی فیکٹری کے قریب والے کالج میں کرا دیں۔ آپ روز جو جاتے ہیں مجھے بھی چھوڑ دیا کریں گے اور لے لیا کریں گے۔ لیکن نہیں جی، امی تو یہ مار ساڑھے چار۔ انہوں نے تو جوتیاں پھینکنے کا وہ ریکارڈ قائم کیا کہ لکھوالیں اگر گینز بک والے ہوتے تو ورلڈ ریکارڈ بن جاتا۔"

صفدر نے سنا تو اس کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔ "اس پر جوتے تو بنتے ہی تھے۔"

"کیوں بھئی۔ آپ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ میں نے کون سا کہا تھا کہ میرا ایڈمیشن چاچا فیدو کے طویلے میں کرا دو اور ان کے طویلے تک کا راستہ میں ان کی بھینس پر بیٹھ کر طے کیا کروں گی۔"

ہنس ہنس کے صفدر کی جان نکل رہی تھی۔ "تم ایسے ہی بحث کرتی ہو تائی سے؟"

"امی کہاں موقع دیتی ہیں آج کل تو جوتی ہاتھ میں لیے پھرتی ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نشانہ لگاتی ہیں کہ میں منہ کھولنے سے پہلے ہی بند کرلیتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے اگلی دفعہ امی جوتیوں کی دکان پر مجھے ساتھ ہی لے کر جائیں گی وہیں ساری مار مار کر چیک کرلیں گی کہ ساری ٹھیک سے کام کرتی ہیں کہ نہیں کیونکہ اسی مقصد سے تو جوتیاں خریدتی ہیں۔"

صفدر کے قہقہے اتنے بلند تھے کہ اس کے کمرے کے در و دیوار اگر احساسات رکھتے تو سناٹے کے عادی ہوتے اور آدھی رات کو ان قہقہوں سے شش و پنج میں مبتلا ہو جاتے۔

"میرا نمبر کس نے دیا تمہیں؟" بالآخر جب صفدر کی ہنسی رکی تو اس نے پوچھا۔

"مجھے تو صفی بھیا، آم کھانے کی عادت ہے بھلا پیڑ گننے کی کیا ضرورت ہے؟" دینہ نے ہنس کے ٹالنا چاہا۔

"جو پوچھا ہے اس کا سیدھا سیدھا جواب کیوں نہیں دیتی ہو؟"

"دے تو رہی ہوں۔" دینہ نے منہ بنایا۔ "آج عالیان بھائی آئے تھے۔ مجھے کہنے لگے اگر پچھلی دفعہ ایڈمیشن صفی بھائی کے کہنے پر ہوا ہے تو اس دفعہ بھی ان سے کہہ دو۔"

"تائی کیا صرف مجھ سے بات کرنے سے روکتی ہیں؟" صفدر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ کے علاوہ منہ کون لگاتا ہے مجھے۔ چلیں اب میں فون بند کروں؟" دینہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"آپ کل آئیں گے ناں؟"

"ہاں۔"

"وعدہ کریں۔"

"کہہ رہا ہوں ناں کہ آؤں گا سکندر بھائی سے بات کرلوں گا۔"

"ویسے ہمارے گھر میں آپ کی اتنی بات کیوں مانتے ہیں؟" دینہ کو فون بند کرتے کرتے نئی سوچ نے آ گھیرا تو اس نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

"بہت جلد بتاؤں گا۔"

"ابھی بتا دیں ناں، وہ آپ نے سنا تو ہوگا ہی کہ تجسس سے بلی مر جاتی ہے۔"

"ہمیشہ ایسے ہی ضد کرو گی کیا؟" صفدر نے مسکراتی آواز میں پوچھا۔

"آپ بھی عجیب ہی ہیں صفی بھائی، میں نے کب ضد کی ہے اور اگر میں ضد کر بھی لوں تو گھر میں تو کوئی مانتا نہیں ہے آپ ہی مان لیا کریں۔ مجھے تھوڑا اہم محسوس ہو جائے گا۔"

"تم کیا جانو تم کتنی اہم ہو میرے لیے۔" صفدر نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"امی کو بتاؤں گی میں کہ آپ نے کہا ہے کہ میں آپ کے لیے بہت اہم ہوں۔" دینہ خوشی سے اچھلی۔

"ارے نہیں۔" صفدر کی تو جان ہی نکل گئی۔ "ایسی باتیں کسی کو نہیں بتاتے۔"

"ہاں تو پھر کیا فائدہ؟" دینہ مچلی "کسی کو پتا ہی نہ چلے کہ میں بھی اہم ہوں تو مجھے کیا فائدہ ہوا۔ بتائیں مجھے؟"

"سمجھاؤں گا۔ ایک دفعہ تمہیں ملوں گا تو سب کچھ سمجھاؤں گا لیکن اس سے پہلے کسی سے کوئی بات نہیں کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" دینہ منہ پھلا کر بولی۔

"چلو اب سو جاؤ۔" صفدر مسکرا کر بولا۔ فون بند ہو جانے کے بعد بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ قائم تھی۔ تایا ابو نے کم سے کم دو سال تک شادی کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ اگر وہ سب کو منا لیتا کہ اس کا داخلہ اس کی فیکٹری کے قریب کے کالج میں کرا دیا جائے تو اسے روزانہ دینہ سے ملنے کا موقع مل جاتا اور تایا ابو یا سکندر کو منانا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

"امتحانوں میں پورے پورے نمبر لینے کا یہ مطلب نہیں کہ تمہاری عقل ٹخنوں میں نہیں ہے۔" آج تو امی کی لعن طعن صبح سے جاری تھی اور دینہ کو پورا شک تھا کہ طبیعت کی یہ انوکھی ادائیں دکھائے جانے کی وجہ صفدر ہے۔ یقیناً اس نے امی کو آ کر بتا دیا ہوگا کہ دینہ نے اسے سفارش کے لیے فون کیا ہے جب ہی امی انگارے چبا رہی تھیں۔

"امی! آپ تو مثالیں بھی ایسی دیتی ہیں کہ اللہ ہی حافظ ہے۔ خود ہی سوچیں عقل ٹخنوں میں کیسے ہو سکتی ہے۔ سائنس کی رو سے ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔"

"اس سے پہلے کہ میں یہ سائنس کی روح تیرے جسم سے نکالوں چلی جاؤ باورچی خانے میں۔ جا کر چائے بنا کر لاؤ۔ اندر صفدر بھی بیٹھا ہے۔ اچھی سی چائے بنانا۔" دینہ ابھی بے دلی سے مڑی ہی تھی کہ امی کی آواز نے اسے روک لیا۔ "اور ہاں خود چائے دینے نہ چل پڑنا۔ میں کلثوم سے کہوں گی کہ وہ دے کر آئے گی۔"

دینہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے امی کو گھورنا چاہا مگر امی کے جوتے کو دیکھ کر ارادہ بدل لیا اور مڑتے مڑتے ایک بار پھر سے امی کی آواز پر پلٹی۔ "چائے کے ساتھ سموسے بھی تل دینا۔"

"آپ کہیں تو تھوڑا سا زہر بھی تل کر پلیٹ میں ڈال کے حضور کی خدمت میں پیش کر دوں۔ شاید اسی سے ان کی طبیعت میں افاقہ ہو جائے۔"

"چپ کر جا اور دفع ہو جا اپنی منحوس زبان لے کر۔"

دینہ باورچی خانے میں تو آ گئی مگر زہر والا خیال دل و دماغ کو ابھی تک لبھا رہا تھا۔ "صفی بھائی، آپ کو تو اللہ ہی پوچھے۔ چلو داخلہ نہیں لینے دیتی تھیں تو نہ سہی کم سے کم امی اس غضب کی گرمی میں کچن میں تو نہیں گھساتی تھیں ناں۔ آپ کو شکایت لگانے کے لیے میں غریب ہی ملی تھی۔" غصے سے سوچتے ہوئے دینہ باورچی خانے میں ایسے کام کر رہی تھی جیسے بپھرا ہوا کوئی بیل کھیتوں میں تباہی مچا رہا ہو۔ چولہے پر چائے چڑھا کر دینہ نے فریزر سے سموسے نکالے اور تیل کی کڑھائی کو لبالب بھر کر تیز آنچ پر چڑھا دیا۔

"عالیان بھائی کے منحوس مشورے پر عمل ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ دونوں بھائیوں کو تو اللہ ہی پوچھے گا۔" صفدر اور عالیان کو دل ہی دل میں لعن طعن کرنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے دینہ نے جب جمے ہوئے سموسے ابلتے ہوئے تیل میں ڈالے تو ایک ایسی ہولناک چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی کہ باہر بیٹھیں امی اور قریب کھڑے صفدر دونوں ہی باورچی خانے کی طرف بھاگے۔

"ارے کیا ہوا ہے؟" امی ہولتی ہوئی باورچی خانے میں داخل ہوئیں اور دینہ کے ہاتھ کی طرف دیکھا جس پر وہ ایسے پھونکیں مار رہی تھی جیسے عامل بابا ہو۔ صفدر باورچی خانے کے دروازے میں ہی رک گیا۔ "ادھر تو دو ہاتھ کیا کیا ہے؟" امی کی آواز میں پریشانی ہی پریشانی تھی۔

"رہنے دیں آپ۔ اب جل گیا ہے تو دیکھنے کا کیا فائدہ؟" دینہ ہاتھ دکھانے سے صاف انکار کرتے ہوئے ابھی مڑی ہی تھی کہ اس کی نظر دروازے میں کھڑے صفدر پر پڑی۔ درد تو ہاتھ جلنے کا تھا مگر غصہ صفدر کو دیکھ کر دوبالا ہو گیا۔ اگر وہ شکایت نہ لگاتا تو امی ہٹلر کی جانشین بنتے ہوئے اسے باورچی خانے میں نہ گھساتیں۔

"ہاتھ جل گیا ہے کیا؟" صفدر نے از راہِ ہمدردی پوچھ لیا لیکن یہ ہمدردی اسے مہنگی پڑ گئی۔

"ہاں۔ جل گیا ہے ہاتھ اور سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے؟" دینہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"اس کے پیچھے کیوں پڑی ہو؟ خود پھوہڑ ہو تو اس میں صفدر کا کیا قصور؟" امی کی پیچھے سے بھنائی ہوئی آواز

پردینہ نے مڑنا ضروری نہیں سمجھا۔اس کا نشانہ تو صفدر پرفٹ تھا۔

" آپ نے وعدہ کیا تھا۔جھوٹے کہیں کے۔کہا تھا کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔سارا قصور آپ کا ہے۔" دینہ تو بمباری پر ہی اتر آئی۔صفدر کے چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ کو دیکھ کر دینہ کا دل چاہا اسے کچا چبا جائے۔

" کیا اناب شناب بک رہی ہو؟" امی مزید بھی کچھ کہتیں مگر ان کی توجہ چولہے پر گرتی چائے کی طرف مبذول ہوگئی۔صفدر نے اپنی طرف خونخوار نظروں سے گھورتی دینہ کو ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ اس نے تائی کو کچھ نہیں بتایا۔

" کچھ نہیں بتایا؟" دینہ نے سرگوشی نما آواز میں تصدیق چاہی۔صفدر نے نفی میں سر ہلایا تو دینہ کے تو چھکے ہی چھوٹ گئے۔امی جو کہ چولہا بند کر کے چائے کی پتیلی چولہے سے اتار چکی تھیں۔دینہ سے مخاطب ہوئیں۔

" کیا کہہ رہی تھی تم؟"

"میں کہہ رہی تھی کہ نہ صفی بھائی آتے نہ میں سموسے بناتی نہ میرا ہاتھ جلتا۔قصور تو سارا ان کا ہوا ناں؟" دینہ گڑبڑائے ہوئے انداز میں بولی۔

"اس لڑکی کی عقل پر تو پتھر پڑے ہوئے ہیں۔کیا کروں میں تمہارا؟" امی اس کی طرف بڑھیں تو دینہ سمجھ گئی کہ اب ذلیل وخوار ہونے کے ساتھ ساتھ پٹنے کا وقت بھی آگیا ہے مگر خلاف توقع امی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے جانچا۔

" جل گیا ہے اچھا خاصا۔" امی کے آواز میں پریشانی سن کر دینہ نے انہیں شکی نگاہوں سے گھورا۔

" آئیں تائی ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔اس کی پٹی بھی کرا دیں گے اور کالج سے داخلہ فارم بھی لے لیں گے۔"

" کون سے فارم بیٹا؟" امی اس کے جلے ہاتھ کی پریشانی بھول بھال کر صفدر کی شکل دیکھنے لگیں۔

" میں نے تایا اور سکندر بھائی سے بات کر لی ہے۔اتنے اچھے نمبر آئے ہیں اس کے میرے خیال میں اسے آگے پڑھنا چاہیے" صفدر کی یہ بات سن کر تو دینہ کا دل چاہا کہ اس پر فدا ہی ہو جائے مگر امی اس کے دل کے خیال سے بالکل متفق نہ تھیں۔صفدر کے سامنے تو وہ کچھ نہ بولیں مگر دل میں ٹھان لی وہ ملک ولی سے بات کریں گی۔

"میں سکندر سے کہتی ہوں کہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔ مجھے اور سفینہ کو تو ملک امتیاز کی بڑی بیٹی کی فوتیدگی پر جانا ہے۔ جنازے کا وقت بس ہوا ہی چاہتا ہے۔ اس لڑکی کی وجہ سے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"سکندر بھائی اور تایا ابا تو نکل گئے ہیں ملک امتیاز کے گھر کے لیے۔"

"اچھا، چلو جاؤ دینہ بڑی چادر اوڑھ کر آؤ۔ فارم شارم بیٹا تم بعد میں لے لینا۔ اس کی پٹی کرا آتے ہیں پھر تم راستے میں مجھے اور سفینہ کو ملک امتیاز کے گھر بھی چھوڑ دینا۔"

"ٹھیک ہے تائی۔ میں گاڑی میں ہوں آپ لوگ آجائیں۔"

راستے میں دینہ خلافِ توقع خاموش رہی۔ پٹی کرانے کے بعد صفدر نے پہلے اسے گھر چھوڑا پھر تائی اور اپنی بہن سفینہ کو لے کر ملک امتیاز کے گھر چلا گیا۔

رات میں کافی دیر سے لوٹنے کے باوجود صفدر کے دل سے دینہ کا خیال گیا نہیں تھا۔ اس کا ہاتھ اچھا خاصا جل گیا تھا۔ پٹی کرتے وقت جب ڈاکٹر نے اس کے ہاتھ پر دوائی لگائی تھی تو اس نے منہ سے تو کچھ نہیں کہا مگر درد سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ صفدر کا دل اس کے آنسو دیکھ کر بے چین سا تھا۔ اس نے کمرے میں آنے کے بعد گھڑی پر وقت دیکھا۔ رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ دینہ کو فون کرنے کے بارے میں اس نے کافی سوچا۔

دماغ کہہ رہا تھا کہ یہ بات کرنے کا مناسب وقت نہیں ہے مگر دل اسے مسلسل اکسا رہا تھا۔ بالآخر دل کی بات مانتے ہوئے صفدر نے اسے فون ملا ہی لیا۔ کافی دیر گھنٹیاں جانے کے بعد دینہ کی نیند سے بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میری نیندیں اڑا کر یہ بے خبر کیسے سو رہی ہے۔" دل نے دوہائی دی۔

"سو رہی ہو کیا؟"

"آپ خواب میں بول رہے ہیں یا سچ میں؟" دینہ نے نا سمجھی میں پوچھا تو صفدر کو ہنسی آ گئی۔

"تم کیا میرے خواب دیکھتی ہو کہ ایسے پوچھ رہی ہو؟"

"اب کیا خواب میں دیکھنے کے لیے بھائی ہی رہ گئے ہیں دن بھر دیکھنا کافی نہیں ہے کیا؟"

صفدر کو ایسی بات سننے کی بالکل امید نہیں تھی۔ اس نے غصے سے فون کو گھور کر سوچا کہ اگر اس نے دینہ کو بتا دیا ہوتا کہ وہ اس کا بھائی نہیں بلکہ منگیتر ہے تو آج یہ سننے کو تو نہ ملتا۔

"سوری صفی بھائی۔" صفدر کی طول ہوتی خاموشی پر دینہ بستر میں اٹھ بیٹھی۔

"کس لیے؟"

"وہ دن میں، میں نے آپ کو پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا۔ مجھے لگا آپ نے امی سے شکایت کی ہے۔"

"وعدہ کیا تھا تم سے کہ شکایت نہیں کروں گا پھر ایسا کیوں لگا تمہیں؟"

"وہ امی نے صبح سے کچھ زیادہ ہی فارم میں تھیں مجھے لگا آپ نے انہیں بتا دیا ہے۔"

"ہاتھ کیسا ہے تمہارا؟"

"درد ہو رہا ہے۔"

"دوائی لگائی تھی؟" صفدر کی آواز میں تشویش نمایاں تھی۔

"نہیں۔ امی دیر سے آئی تھیں۔ اس کے بعد پتا نہیں ان کی، سکندر بھائی اور ابا کی کیا گول میز کانفرنس چل پڑی کہ میں بس کمرے میں آ کر سو گئی۔"

"سفینہ باجی سے کہہ دیتی وہ دوائی لگا دیتیں۔"

"سفینہ بھابھی اپنے مجازی خدا کے لیے کھانا بنا رہی تھیں اور آپ کو تو پتا ہی ہے کہ آپ کی بہن سکندر بھائی سے کتنا ڈرتی ہیں۔"

"ڈرتی نہیں ہیں، عزت کرتی ہیں۔"

"اگر کھانا بنانا اور بات ماننا عزت کرنا ہوتا ہے تو پھر سکندر بھائی کیوں نہیں عزت کرتے بھابھی کی؟"

"سکندر بھائی بھی عزت کرتے ہیں باجی کی۔"

"چھوڑیں آپ نہیں سمجھیں گے۔ امی بھی نہیں سمجھتی ہیں۔"

"کیا نہیں سمجھتی؟"

"اب دیکھیں ناں امی کے دماغ میں میری شادی کا کیڑا بلبلانے لگا ہے۔ آتے جاتے کہتی رہتی ہیں کہ کچھ

کام سیکھ لو شادی کے بعد کچن میں کام کرنا پڑتا ہے۔"

"ہاں ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔"

"کیسے بھلا۔آپ کی شادی ہو گی تو آپ کچن میں کام کرنے لگیں گے کیا؟" دینہ کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ صفدر کی نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی چھوٹ گئی "آپ نہیں کریں گے تو میں کیوں کروں۔بتائیں ذرا؟"

"کام نہیں کرو گی تو کیا کرو گی؟"

"میں رائٹر بنوں گی۔ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ جب ہی تو میں پڑھتی ہوں۔آپ دیکھنا میں ایک دن بہت ہی مشہور رائٹر بنوں گی۔"

☆......☆......☆

"یار ڈی، کچھ کھانے کو بنا دو پلیز۔" اسامہ نے خالی فریج میں جھانکا تو لیپ ٹاپ میں سر دیے بیٹھی دینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"اگر محبت روح کی گہرائی تک چھو جانے والی ہو تو اسے بچھڑ جانا چاہیے یا پھر فنا ہو جانا چاہیے؟"

"اسے پیٹ پوجنے کا خیال کرتے ہوئے اپنے کرائے دار کے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہیے۔ میں بتا رہا ہوں اگلی دفعہ میں کرائے سے پیسے کاٹوں گا۔تم آج کل بالکل کچھ نہیں پکا رہی ہو۔"

"جو پیسے کاٹنے ہیں ناں ان سے میرے اور اپنے لیے کچھ آرڈر کر دو۔" دینہ گہری سوچ میں الجھی ہوئی تھی۔کھانا اس کی ترجیحات میں سب سے آخر میں آتا تھا۔

"ایک ہفتے سے ہم آرڈر کر رہے ہیں۔پلیز کچھ بنا دو۔" اسامہ اس کے قریب آ بیٹھا۔

"منتیں کرو میری۔" دینہ نے نہایت سنجیدگی سے مطالبہ کیا۔

"کیا مطلب؟"

اسامہ کی ناسمجھی پر دینہ نے اسے گھورا۔چند لمحے جب خاموشی کے بیت گئے تو اسامہ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے اس کی خوب منتیں کیں تب جا کر دینہ اپنی جگہ سے ہلی۔اس کے کچن میں جانے کے بعد اسامہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا لیکن جب وہ چند لمحوں میں ہی ٹی وی سے بور ہو گیا تو اٹھ کر کچن میں چلا گیا۔

http://sohnidigest.com

"مدد کروں تمہاری؟"

"ہاں، تم پاستا ابال دو۔ میں سوچ رہی ہوں چکن الفروڈو بنا لیتے ہیں۔"

"کبھی کبھی ایسی عقلمندانہ خیال آنے پر میں تمہیں مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں" اسامہ ڈرامائی انداز میں بولا

"خیر مبارک۔ پاستا کے لیے پانی رکھو اور ہاں وہ تمہارا انٹرویو کیسا ہوا؟ مجھے تو وہ عورت تھوڑی کھسکی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسے بے ہودہ سوال کرتا ہے کوئی۔"

"محسوس کیا ہو رہی تھی وہ پوری سائیکو ہے۔ میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا اس کے سوالوں سے۔"

"لیکن اس کے اتنے اشتعال انگیز سوالوں کو تم نے ہینڈل اچھا کیا تھا۔ میں تو تم سے بہت متاثر ہوئی" دینہ نے فریج سے چکن اور پالک نکالی " کس عقل مند نے تمہیں یہ جواب لکھ کر دیئے تھے۔ اتنی عقلمندانہ باتیں تمہارے اس ننھے منے دماغ میں تو آنہیں سکتیں" دینہ نے دھلی ہوئی پالک چاپنگ بورڈ پر رکھ کر کاٹنی شروع کی۔

"قسم سے جس انسان سے شادی کرو گی ناں اس کی تو قسمت ہی پھوٹ جائے گی۔" اسامہ نے پانی کی پتیلی چولہے پر رکھ کر اس کے نیچے آگ جلائی اور پوری طرح دینہ کی طرف مڑا۔ " لکھوا کے رکھ لو اگر عقل ہوئی ناں اس میں تو تمہیں دلہن بنا ہوا چھوڑ دے گا۔"

تیز چھری ایک دم دینہ کی انگلی کاٹتی ہوئی گزر گئی۔ اس نے چھری چھوڑی اور اپنی انگلی اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے بیچ دبا کر پکڑلی۔

"اوہو، یہ کیا کیا ہے یار؟" اسامہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور سینک میں بہتے پانی کے نیچے اس کی انگلی رکھ دی۔ زخم گہرا تھا اس لیے درد تو ضروری تھا۔ "تم یہیں پانی کے نیچے رکھو میں دوائی والا ڈبہ لاتا ہوں۔"

کچن کے کیبنٹ میں رکھے ڈبے سے اسامہ نے دوائی اور پٹی نکالی اور دینہ کو قریبی کرسی پر بٹھا کر اس کی انگلی پر دوائی لگا کر پٹی کرنے لگا۔ دینہ غیر محسوس انداز میں اسامہ کو دیکھے جا رہی تھی لیکن خود وہ دور کہیں کسی گہری سوچ میں کھو چکی تھی۔

"ہوش میں آجاؤ تم۔" اسامہ نے اس کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ چونک سی گئی۔ "اب بتاؤ کیا منگواؤں۔ گھر میں تو کھانا پکنے سے رہا۔"

"انگلی ہی کٹی ہے ناں ہاتھ تو نہیں اتر گیا میرا۔ بناتی ہوں میں۔" دینہ جھنجھلائی اور اٹھ کر کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئی۔

"اللہ کی شان ہے بھئی۔ ایسا جوش تو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ انگلی کٹوا کر شہیدوں میں شامل نہیں ہو سکتی تم۔ میں کچھ منگوا لیتا ہوں تم رہنے دو۔"

"بند کرو بک بک اپنی۔ ہر وقت چڑ چڑ کرتے رہتے ہو۔"

"خیر تو ہے۔ تمہاری ہیروئن نے کہیں آج کل بھنگ تو نہیں پینا شروع کر دی اور تم نے حقیقی دنیا میں اس کی عکاسی کرنے کی ٹھان لی ہے۔"

"کون سی ہیروئن؟" دینہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی طرف مڑی۔

"وہی جس کی محبت پر تم ڈاکا ڈلوانا چاہتی ہو۔ میں جانتا ہوں تم رائٹر ہو۔ رائٹرز کے سارے جوہر پائے جاتے ہیں تم میں۔ بس اتنا بتا دو تمہارا اِن نیم کیا ہے؟"

"اپنے اندازے اپنے پاس رکھو۔" دینہ نے اپنی توجہ واپس کھانے کی طرف مبذول کی۔

"بھروسہ کرو مجھ پر۔ ہم دو سال سے ساتھ ہیں یار۔" اسامہ نے ابلتے پانی میں پاستا ڈالا۔

"بھروسہ وقت کا محتاج نہیں ہوتا۔"

"لیکن بھروسہ آزمائش کا محتاج ضرور ہوتا ہے۔" اسامہ نے پاستا میں چمچ چلایا۔ دینہ نے کٹی ہوئی پالک ٹوکری میں ڈالی اور پیاز کاٹنے لگی۔ "آزمائش ہوگی نہیں تو معلوم کیسے ہوگا کہ بھروسے کے قابل ہوں کہ نہیں؟"

"تم پر بھروسہ نہ ہوتا تو اپنے گھر میں رہتی۔"

"میرے کردار پر بھروسہ ہے تمہیں تو میرے ساتھ پر بھی کر لو۔"

"ڈی خان کے نام سے انگلش میں لکھتی ہوں۔" جانے کیا سوچ کر دینہ نے اسے بتا دیا۔

"نو وے۔" اسامہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ دینہ نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"اوراکیٹنگ ایک منٹ میں پہچان لیتی ہوں میں۔"

"میں نے تمہاری کتابیں پڑھی ہیں۔ تمہارا تو بڑا نام ہے یار۔ مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں اتنی عظیم رائٹر

کے ساتھ رہا ہوں۔"

دینہ نے اتنی تعریف کو شک کی نگاہ سے دیکھا۔ ابھی اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اسامہ بول پڑا۔ "سچی تعریف کر رہا ہوں یار۔ میں تمہاری رائٹنگ کا واقعی بڑا فین ہوں۔ جذبات کی گہرائیوں کو اتنی خوبصورتی سے بیان کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی اور تمہاری وہ جو کہانی تھی ناں جو تم نے ایک پاکستانی لڑکی کے بارے میں لکھی۔ محبت، بھروسے، رسمیں، عزت اور بقا کی وہ کہانی تو دماغ کو بھک سے اڑا دینے والی تھی۔"

دینہ اسکی تعریفیں سنتے سنتے کھانا پکاتی رہی۔ اس نے پاستا ساس کے ساتھ مکس کر کے پلیٹ میں نکال کر پلیٹ اسامہ کی طرف بڑھائی، جب اسامہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہیں پتا ہے تمہارے اس کردار سے محبت ہو گئی تھی مجھے۔"

دینہ کے ہاتھ اپنی جگہ جم گئے۔ اسامہ نے اس کے ہاتھ سے پلیٹ تھامی اور اس کی پلیٹ بھی اٹھا کر میز کی طرف بڑھ گیا۔ دینہ نے ایک گہرا سانس خارج کیا اور یادوں کو سختی سے دماغ کے کسی کونے میں بند کر کے میز پر آ گئی۔

"اگر وہ لڑکی مجھے مل جائے تو۔" دینہ نے بیٹھتے بیٹھتے اسامہ کے چہرے پر نظریں جمائیں۔ "شادی کر لوں میں اس سے۔" اسامہ نے پاستا منہ میں ڈالا اور اس کی لذت میں ایسا کھویا کہ اس نے دینہ کے وجود میں چلتی آندھیوں پر غور ہی نہیں کیا۔

☆......☆......☆

"لو یہ فارم بھر دو۔"

دینہ اپنی کتاب میں اتنی گم تھی کہ اس نے دروازے پر ہونے والی دستک سنی ہی نہیں۔ صفدر کی آواز سن کر وہ ایک دم اچھل پڑی لیکن فوراً ہی سنبھل کر اس نے فارم پکڑ لیا۔

"ہائے، تھینک یو صفی بھائی۔ آپ جیسا بھائی اللہ ہر ایک کو دے۔"

صفدر اس کے بات پر مسکرایا۔

"کہاں کے ہیں یہ فارم؟"

"وہیں کے جہاں کا تم نے کہا تھا۔"

"آپ لائیں، لے جائیں گے مجھے؟"

"نہیں، کرمو چاچا۔ جب کرمو چاچا نہیں ہونگے تب میں لے آیا کروں گا۔ یہ فارم بھر کر کرمو چاچا کو دے دینا۔ وہ جمع کرا دیں گے۔"

"صفی بھیا۔ میں ہاسٹل میں بھی تو رہ سکتی ہوں۔" دینہ نے اپنے خیال کو زبان دی۔

"سوچنا بھی مت۔" صفدر کی آواز میں بے اختیار ہی سختی آ گئی۔

"اچھا۔" دینہ نے منہ لٹکا لیا۔ "میں تو صرف اس لیے کہہ رہی تھی کہ آسانی ہو جائے۔"

"تم مجھ پر بھاری نہیں ہو۔ میں تمہاری ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہوں۔"

"ایسا بھی کیا کہہ دیا میں نے اور میں آپ کی ذمہ داری نہیں ہوں۔" دینہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔ "خوامخواہ ہر کوئی مجھ پر رعب جماتا رہتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں اہم ہوں میں اور کبھی مجھے ڈانٹتے ہیں۔" دینہ منہ پھلا کر بستر سے اٹھی اور صفدر کے قریب سے ہوتی ہوئی باہر کو نکلنے کے لیے گزری۔ صفدر نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ وہ رک تو گئی لیکن صفدر کے ایسے ہاتھ پکڑنے پر اتنی گھبرائی کہ اس کی سانس سینے میں ہی جکڑ گئی۔

"ہاتھ چھوڑیں صفدر بھائی۔" بامشکل الفاظ لبوں سے آزاد ہوئے۔ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے صفدر اس کی طرف جھکا تو دینہ کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔

"بہت اہم ہو تم میرے لیے۔" صفدر کی گمبھیر آواز سے دینہ کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ اس کے گالوں پر پھیلتی لالی دیکھ کر صفدر نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اسے کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ دینہ نے اس کے جانے کے بعد سینے میں رکی ہوئی سانس آزاد کی۔ صفدر کی آنکھوں میں آج جو احساسات اس نے دیکھے تھے وہ تو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ شاید یہ پہلی دفعہ تھا کہ صفدر نے اسے اپنے سینے میں پنپتے احساسات سے آشکار کیا تھا یا پھر دینہ نے پہلی دفعہ غور کیا تھا۔ جو بھی تھا، دینہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اسے کیسا محسوس ہو رہا ہے۔

"صفدر نے کہا تھا اس لیے تمہارا داخلہ ہونے دیا ہے مگر خیال رہے جس عزت سے اس گھر سے نکلو گی اسی عزت کے ساتھ گھر واپس داخل ہونا۔" کھانے کے میز پر سکندر نے دینہ سے کہا۔

"جی بھائی۔" سکندر کے سامنے دینہ کی زبان کو ایسے تالا لگتا تھا کہ جیسے اسے بولنا آتا ہی نہ ہو۔

"کرمو چاچا لے جایا کریں گے تمہیں۔ اگر کبھی وہ نہ ہوئے تو صفدر یا عالیان لے آیا کریں گے تمہیں۔ اکیلے آنے جانے کا سوچنا بھی مت۔" سفینہ نے سالن کا ڈونگا سکندر کی طرف بڑھایا۔

"جی بھائی۔" دینہ نے بھائی کی طرف نظر اٹھا کے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی۔

"بڑی چادر لے کر جانا اور خوامخواہ کی دوستیاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے سالن پلیٹ میں ڈال کر روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ایک ہی دفعہ گولی ماردیں۔ آپ کی عزت ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گی۔" دینہ نے صرف سوچا کہا نہیں۔ "جی بھائی" کہا اس نے صرف اتنا ہی۔

"اور اچھے سے سمجھ لو۔ بی اے کے بعد آگے پڑھنے کا خیال دل سے نکال دو۔"

"جی بھائی۔" اس نے جھکا سر اٹھایا نہیں لیکن دل میں مکاری سے سوچا جس صفدر نے یہاں تک پڑھنے کا موقع دلوا دیا ہے وہ آگے بھی راستہ نکال دے گا۔

"سن بھی رہی ہو کہ بس جی جی کر رہی ہو۔" سکندر کی رعب دار آواز میں اس قدر اچانک جلال آیا تھا کہ دینہ جی وجان سے ہل گئی۔ اس نے سر اٹھا کر ابا کی طرف دیکھا۔

"بس کرو سکندر۔" نظر تھی کہ دل کے پار ہو گئی تھی۔ انہیں دینہ سے اتنی محبت تھی کہ دینہ کے اندر ان کی جان بند تھی۔ لیکن انہیں کبھی اظہار کرنا نہیں آیا اور نتیجہ یہ تھا کہ دینہ ان سے اتنا ڈرتی تھی کہ کبھی ان کے سامنے کوئی فرمائش تو کیا بات تک لے کر نہیں آئی۔

"میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے اور ہاں آسیہ۔" انہوں نے امی کو مخاطب کیا "آئندہ یہ باورچی خانے میں نہیں جائے گی۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ کچھ سیکھے گی تو اگلے گھر میں کچھ کر پائے گی ناں۔"

"میں اس قابل ہوں کہ اس کے ساتھ نوکروں کی فوج بھیج سکوں۔ آئندہ میں اس کا ہاتھ جلا یا کٹا نہ دیکھوں۔"

"لیکن ابا۔۔۔" سکندر کو ابا کی بات سخت ناگوار گزری۔

"بس۔" سکندر کے الفاظ ابا کے آواز کے سامنے دب گئے۔

دینہ کا فون مسلسل بج رہا تھا اور صفدر کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ دینہ قریب بیٹھی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کی صفدر سے بات کرے یا نہ کرے۔ اس کی نظریں وہ ابھی تک بھولی نہیں تھی۔ اس نے صفدر کو ہمیشہ بھائیوں کی نظر سے دیکھا تھا مگر وہ اتنی معصوم بھی نہیں تھی کہ یہ بھول جاتی کہ صفدر اس کا بھائی نہیں اور اس کے دیکھنے کا انداز چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا وہ اسے بھائیوں کی نظر سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ فون بجتے بجتے خاموش ہو گیا تو دینہ نے جھٹ اسے بند ہی کر دیا۔

فون بستر پر پھینک کر صفدر بستر پر بیٹھ گیا۔ وہ کئی دنوں سے دینہ کو فون کر رہا تھا۔ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا کہ وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔ وہ جان بوجھ کر اس سے بچ رہی تھی۔

"مگر کیوں؟" صفدر نے جھنجلا کر سوچا۔ "ٹھیک ہے پھر انتظام کرتا ہوں میں تمہارا۔" صفدر نے سوچا۔

دینہ کالج سے باہر نکلی تو غیر متوقع طور کالج کے گیٹ پر صفدر کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ فوراً گیٹ کے ایک طرف ہو گئی۔ لڑکیوں کے رش میں صفدر اسے دیکھ نہیں پایا۔ وہ گیٹ سے کچھ فاصلے پر لگے بینچ پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ کیا کرے۔ وہ منہ پر چادر لے کر بڑی آسانی سے صفدر کی نظروں سے بچ کر گھر جا سکتی تھی لیکن گھر میں سکندر بھائی سے کچھ بعید نہیں تھی کہ وہ اسے گولی ہی مار دیں۔

جب صفدر کا صبر جواب دینے لگ گیا تو وہ گارڈ پر برس پڑا۔ "تم اندر جا کر دینہ بی بی کو ڈھونڈ کر لاؤ ورنہ میں خود چلا جاؤں گا۔"

صفدر کی آواز میں اتنی سختی تھی کہ گارڈ بنا چوں چرا کیئے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ دینہ قریبی بینچ پر اسے مل گئی۔

"ارے بی بی، آپ چلیں۔ باہر صفدر صاحب نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہے۔"

دینہ نے گارڈ کی طرف ناگواری سے دیکھا۔ مرتی کیا نہ کرتی، نہ چاہتے ہوئے وہ بیگ کندھے پر لٹکائے باہر کو نکل پڑی۔ صفدر کے چہرے سے اس کے غصے کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ دینہ دل ہی دل میں دعائیں پڑھتی اس تک پہنچی تو اسے ڈرتے ڈرتے سلام کیا جس کا جواب دینے کے ساتھ ہی صفدر نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا کہا۔ جب دینہ پچھلے دروازے کی طرف بڑھی تو صفدر نے بنا کچھ کہے اس کے لیے آگے کا دروازہ کھول دیا۔ وہ چاروناچار بیٹھ گئی۔

"کہاں تھی اتنی دیر سے؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی صفدر دھاڑا۔

"میری کلاس ہو رہی تھی۔"

"جھوٹ۔"

"نہیں سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ کو یقین نہ آئے تو فضا سے پوچھ لیں۔ ابھی تو لالہ مجھے کلاس سے بلا کر لائے ہیں۔ میڈم تو ایسے گھور رہی تھی کہ لگ رہا تھا کھا جائیں گی۔ ویسے آج کر موچا چا کیوں نہیں آئے؟" دینہ نے فراوانی سے جھوٹ بولا۔

"کیوں؟ میرے آنے پر کوئی تکلیف ہے؟" صفدر بھڑکا۔

"خوامخواہ بھڑک رہے ہیں۔ میں نے کون سا آپ کی بھینس کھول لی ہے۔" دینہ نے منہ بنایا۔

"بہت زبان چلتی ہے تمہاری" صفدر نے گاڑی چلانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ "فون کر رہا تھا تمہیں۔"

"اچھا؟" دینہ نے معصوم بننے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔ "کب؟"

"ایک دفعہ اور جھوٹ بولا تو کالج بند کرا دوں گا۔" صفدر کا بس نہیں چل رہا تھا اسے سیدھا اپنے گھر لے جائے اور پھر کبھی وہاں سے جانے نہ دے۔ بے قراری اتنی بڑھ جائے گی یہ تو اس نے سوچا تک نہیں تھا لیکن یہاں یہ اس کے سینے میں آگ لگا کر بے نیاز ہی نہیں بے خبر بھی تھی۔

"بلیک میلر۔" دینہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"کیا کہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" دینہ نے انجان بنتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"اب بتاؤ فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھی تم؟"

"آپ مجھے گھر لے کر جائیں ورنہ میں امی کو بتاؤں گی۔" دینہ نے اپنے ریت کی طرح بکھرتے اعتماد کو سمیٹا اور جھکی پلکوں کے ساتھ بولی۔

"کیا بتاؤ گی؟" صفدر نے اسے انگلیاں مروڑتے دیکھا تو اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دینہ نے تیزی سے سر اٹھا کر صفدر کو دیکھا اور اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی۔

"دیکھیں صفدر بھائی، میں امی کو بتاؤں گی۔ سچ کہہ رہی ہوں۔" اس نے کمزور ہوتی آواز میں احتجاج کیا۔

"یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کیا بتاؤ گی؟" صفدر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ دینہ اس کی گہری نظروں سے گھبرا گئی۔

"میں بتاؤں گی کہ آپ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔" وہ صفدر کی پیغام دیتی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں جھکا کر بولی۔

"واقعی؟" صفدر دھیرے سے مسکرایا۔ "پھر یہ بھی بتانا۔"

"کیا؟" دینہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف ناسمجھی میں دیکھا۔ صفدر نے اس کی نظروں میں نظریں ڈال کر دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگایا۔ دینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور اپنا خون کانوں میں گردش کرتا محسوس ہونے لگا۔

"ہاتھ چھوڑیں صفی بھائی" اس نے ہمت کر کے الفاظ ایسے ادا کیے کہ وہ بامشکل صفدر کے کانوں تک پہنچ سکے

"اب تو بھائی مت کہو۔" صفدر نے مسکرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور گاڑی کو گیئر میں ڈال کر ریس پر پاؤں رکھا تو لمحوں میں گاڑی ہواؤں سے باتیں کرنے لگی۔ جب حویلی کے اندر صفدر نے گاڑی روکی تو دینہ نے ایسے دروازہ کھولا گویا کسی قید سے رہائی کا پروانہ ملا ہو۔

"فون کروں گا۔"

صفدر کی بات پر دینہ نے دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ صفدر ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔

"آگے بیٹھ کر کیوں آئی ہو؟" اندر داخل ہوتے ہی اسے امی نے پکڑ لیا۔

"صفی بھائی سے پوچھیں ناں جن کے ساتھ آئی ہوں۔" دینہ کہنے کے بعد لپک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔امی اس کے تیور دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

اس رات جب اس کا فون بجا تو اس نے پہلی ہی گھنٹی پر اٹھا لیا۔

"آپ کو مسئلہ کیا ہے؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"غصے میں لگ رہی ہو۔" صفدر ہنسا۔

"نہیں، میں تو صبح سے لڈیاں ڈال رہی ہوں۔آپ بہت ہی گھٹیا حرکتیں کر رہے ہیں۔کوئی اپنے ہی گھر میں نقب لگاتا ہے؟"

"اتنی بڑی باتیں بھی کر لیتی ہو؟" صفدر کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

"میں آپ کو بتا رہی ہوں میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔"

"کیسی؟" صفدر نے جان کے چھیڑا۔

"آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔امی کو پتا چل گیا ناں جوتوں کی تازی جنگ شروع کر دیں گی اور اگر سکندر بھائی کو پتا چل گیا تو وہ پستول لیے پھرتے ہیں اور مجھے گولی مارنے کا تو وہ ویسے ہی بہانہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔لیکن یاد رکھنا میں بھی مرتے مرتے بتا دوں گی کہ ساری کارروائی آپ کی ہے۔"

"بے تکی باتیں کر کر کے تھکتی نہیں ہو کیا؟"

"آپ بھائی ہیں میرے۔آپ کو یہ سب زیب نہیں دیتا۔"

"اف۔" صفدر بھڑکا۔"لڑکی، بھائی کہنا تو بند کرو۔"

"میں فون بند کر رہی ہوں اور فون میں امی کی سائیڈ ٹیبل پر رکھنے جا رہی ہوں۔اب فون کیا تو بس امی سے بات کیجئے گا آپ۔" دینہ نے کہہ کر فون بند کر دیا لیکن بہت دیر تک وہ فون ہاتھ میں پکڑے دیکھتی رہی کہ کہیں صفدر دوبارہ فون نہ کر دے۔

صفدر نے مسکرا کر فون کی طرف دیکھا۔ایسا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی طرف قدم بڑھانے پر وہ ہتھے سے ہی اکھڑ جائے گی لیکن اس کا یہ ردعمل صفدر کے دل میں اتر گیا تھا۔صفدر کی پذیرائی نہ کرنا اس کے کردار

کی مضبوطی کی ضمانت تھا۔

☆......☆......☆

اسامہ گھر میں داخل ہوا تو غیر معمولی خاموشی اور اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ گھر میں کوئی نہ کوئی بتی تو ہمیشہ ہی جل رہی ہوتی تھی۔ اس نے لاؤنج کا لیمپ آن کیا۔ دینہ شاید جلدی سو گئی تھی اور کھانا وہ کھا کر آیا تھا اس لیے اس نے دینہ کو ڈسٹرب کرنا غیر مناسب سمجھا۔ کمرے کی میز پر دینہ کی کتاب رکھتے ہوئے غیر اختیاری طور پر دینہ کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ جب اس نے کہا تھا کہ اگر اس کی کہانی کا کردار اسے مل جاتا تو وہ اس سے شادی کر لیتا تو اس نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ لی تھیں۔ اس کا وجود جن آندھیوں کی زد میں تھا اس سے صاف عیاں تھا وہ صرف ایک تصوراتی کردار نہیں بلکہ ایک جیتا جاگتا کردار تھا مگر کون اور کیا تعلق تھا اس کا دینہ سے؟

دو سال پہلے جب وہ اسلام آباد سے کراچی آیا تھا تو اس کی ممی بہت پریشان تھیں کہ کراچی جیسے شہر میں جہاں صورتحال اکثر غیر یقینی کا شکار رہتی ہے وہاں وہ اکیلا کیسے رہے گا۔ ان کی فکر دور کرنے کے لیے اس کی کزن نے اسے دینہ کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ اکیلی لڑکی کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا تھا مگر اس کی کزن دینہ کے بارے میں اتنی پر اعتماد تھی اور ممی کا پریشر اتنا تھا کہ اس نے سوچا، چند دن رہ کر دیکھ لے گا۔ اگر اسے کسی قسم کی بے سکونی محسوس ہوئی تو وہ کہیں اور چلا جائے گا۔ دینہ خود میں گم رہنے والی اور کم گو تھی کہ اسامہ نے جلد ہی فیصلہ کر لیا کہ جب تک کراچی میں اپنا گھر نہیں لے لیتا دینہ کے ساتھ ہی رہے گا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کی بے تکلفی ہو گئی تھی اور ایک ان دیکھا سا خیال اور فکر کا رشتہ بن گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ دینہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ آج سے پہلے نہ کبھی اسے جاننے میں دلچسپی محسوس ہوئی نہ ہی اس نے جاننے کی کوشش کی لیکن اب اس کے بارے میں جاننے کی خواہش سر اٹھانے لگی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کتاب کے اس کردار سے دینہ کا کیا رشتہ ہے۔ اسی غرض سے اس نے گھر واپسی پر اس کی کتاب خریدی تھی۔

دینہ بہت دیر سے سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر اسے اپنا وجود بھی کسی بھوت کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ اس

نے جانے کیوں ڈراؤنی فلم دیکھ لی تھی تب سے وہ بستر میں لیٹی خود کو یقین دلانے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی کہ بھوت اور بلائیں سچ میں نہیں ہوتے۔ مگر دماغ نے ٹھان لی تھی کہ ماضی کے وہ تمام واقعات جو کسی بھی طرح اس کے خوف میں اضافہ کرنے کا موجب بن سکتے ہیں انہیں دماغ کے اندھیر خانوں سے نکال کر اس کے سامنے فلم کی طرح چلا دے اور جب اپنا ہی دماغ روح فنا کرنے کی ٹھان لے تو کیسے ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو۔

ابھی دینہ خود کو سمجھانے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ یہ سب دماغ کی چال ہے کہ اس کے کمرے کی گھڑی پر الارم پورے زور و شور سے بجا۔ دینہ کے حلق سے بے اختیار چیخ برآمد ہوئی۔ ابھی وہ اٹھ کے الارم بند کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے دماغ سے خیال گزرا کہ اس نے تو الارم کبھی لگایا ہی نہیں تھا۔ یقیناً کمرے میں کوئی چیز ہے جس نے الارم بجایا ہے۔ دینہ نے اپنی چادر ایک طرف پھینکی اور ہوا کی سی رفتار سے کمرے سے بھاگی۔

اسامہ سے اجازت لینا تو دور کی بات اس نے دروازے پر دستک تک نہیں دی لیکن آندھی طوفان کی طرح وہ جن قدموں سے اندر داخل ہوئی تھی ان ہی قدموں باہر نکل گئی اور دروازہ دھڑام سے بند کر دیا۔

ڈریسنگ روم سے نکلتا اسامہ، دینہ کو اس طرح کمرے میں آتا اور جاتا دیکھ کر ساکت ہو گیا۔ پھر سر جھٹک کر اس نے جلدی سے اپنے ہاتھ میں پکڑی ٹی شرٹ پہنی، اپنے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا دروازے سے چپکی کھڑی دینہ اس کے سینے سے آ لگی۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے اسے تھام لیا۔

"کیا کر رہی ہو؟" وہ جھنجلایا۔

"سوری۔" دینہ جلدی سے پیچھے ہٹی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" اسامہ نے اس کی اڑی ہوئی رنگت دیکھی۔

"میرے کمرے میں کوئی ہے۔" دینہ نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔ اسامہ کی ساری حسیں یکدم بیدار ہو گئیں۔ اس نے کمرے میں رکھا ٹینس ریکٹ اٹھایا اور بولا۔

"تم ادھر ہی رکو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

دینہ نے اس کے کہنے پر سر تو ہلایا مگر جب وہ کمرے کی طرف بڑھا تو وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اسامہ

اسے پیچھے پا کر ایک دم مڑا تو اس کا سر اسامہ کے سینے سے ٹکرا گیا۔ اسامہ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

"تمہیں کہا ہے ناں ادھر ہی رکو۔"

"ہیرو نہ بنو۔ میں ساتھ جاؤں گی۔" دینہ نے حسبِ عادت منہ بنایا۔ اسامہ سرنفی میں ہلا کر آگے بڑھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اسامہ نے کمرے کی ساری بتیاں جلا دیں لیکن اسے کمرے میں کوئی نظر نہیں آیا۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے۔" اسامہ کمرے میں ہر طرف دیکھ لینے کے بعد بولا۔ دینہ آنکھوں سے میز کی طرف اشارے کر رہی تھی۔ اسامہ نے نہ سمجھی میں میز کی طرف دیکھا۔

"کیا؟" اس نے کنفیوز سی شکل بنائی۔ دینہ نے بھنوئیں اچکا کر میز کی طرف پھر سے اشارہ کیا۔

"منہ سے بولو یار۔" اسامہ بھنایا۔

"الارم۔"

"کیا؟" اسامہ چیخا۔

"یہ خود بخود ہی بج رہا ہے۔"

اسامہ نے دینہ کو ایسے دیکھا گویا اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔ ریکٹ میز پر رکھتے ہوئے اس نے گھڑی ہاتھ میں اٹھائی اور الارم بند کر دیا۔

"اپنا علاج کرواؤ۔" اس نے گھڑی میز پر پٹخی۔

"میں بتا رہی ہوں یہاں کوئی ہے۔" دینہ نے اسے یقین دہانی کرانے کی اپنی سی کوشش کی۔

"پاگل نہ ہو تو۔" اسامہ اس کے قریب سے گزرا تو دینہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اسامہ نے اس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکا تو دل میں ایک انجانی سی ہلچل ہوئی۔

"کیا ہے؟" دل کی حالت کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اس نے روکھے سے انداز میں پوچھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" واپس اسامہ کی آنکھوں میں جھانکتی سبز آنکھوں میں ایسی کوٹ کوٹ کر معصومیت بھری تھی کہ اسامہ کا دل چاہا کہ اسے اپنے دل میں کہیں چھپا لے۔ لیکن جب وہ بولا تو اس کا لہجہ اور اس کا انداز

دل کی حالت کی ترجمانی نہیں کر رہا تھا۔

"اب میں تمہاری آیا بن کر تمہیں لوریاں تو نہیں دے سکتا ناں۔"

دینہ نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ اسامہ نے ایک گہرا سانس خارج کی۔ وہ ان خوفزدہ آنکھوں کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ "آجاؤ میرے کمرے میں۔"

"لاؤنج میں۔" دینہ اس سے نظریں چرا کر بولی

"زیادہ اوور ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آنا ہے تو آجاؤ۔ میرے ساتھ کمرے میں۔ تم مجھ سے اتنی ہی محفوظ ہو جتنی کہ لاؤنج میں۔ اگر تمہیں یاد ہو تو ہم دونوں اس گھر میں اکیلے رہتے ہیں۔ یہاں لاؤنج میں تمہاری حفاظت کون کرے گا۔ الارم کلاک یا پھر وہ تمہاری بھٹکتی ہوئی بدروح؟"

"بہت ہی بدتمیز ہو تم۔" دینہ ڈر بھول بھال کر غصے میں آگئی۔

"اب زیادہ ڈرامہ کوئین بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ آنا ہے تو آجاؤ۔"

دینہ کو کچھ بولنے کا موقع دیئے بنا اسامہ آگے بڑھ گیا تو دینہ بھی نہ چاہتے ہوئے اس کے پیچھے چلی گئی۔

دینہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ دینہ کو کمرے میں رکھی واحد وکٹورین چیئر پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ خود وہ اپنا لیپ ٹاپ کھول کر میز پر بیٹھ گیا۔ دینہ اپنی کتاب پڑھنے میں مگن تھی۔ اسامہ کو کمرے میں خنکی سی محسوس ہوئی تو وہ بستر میں بیٹھنے کی غرض سے اٹھا۔

"تمہیں کوئی چادر دے دوں؟ مجھے تو ٹھنڈ محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے اے سی تھوڑا کم کر کے دینہ سے پوچھا۔

دینہ کی طرف سے جواب نہ پا کر اسامہ اس کی جانب مڑا تو دیکھا، دینہ ہاتھ میں کتاب پکڑے پکڑے سو رہی تھی۔ کچھ مسکرا کر اسامہ الماری کی طرف بڑھا۔ اس نے الماری میں پڑا کھیس نکالا اور دینہ کے ہاتھ سے کتاب لے کر اس پر کھیس ڈال دیا۔ کھیس ڈال کر وہ اپنے پاؤں پر اس کے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھتا رہا۔ صوفے کے بازو پر سر رکھے وہ سمٹ کر سوئی ہوئی تھی۔

"کون سا درد کھائے جا رہا ہے تمہیں؟" اس نے دھیرے سے پوچھا اور بکھرے بالوں کو نرمی سے اس کے

چہرے سے ہٹایا۔ "جس دن اعتبار کر لیا تم نے تو جان لینا جان دے دونگا مگر تمہارا اعتبار ٹوٹنے نہیں دوں گا۔" اس کا چہرہ آنکھوں سے دل میں اتارتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

دینہ کی آنکھ کھلی تو نظر کھڑکی سے باہر سرمئی آسمان کی طرف گئی۔ اس نے اکڑی ہوئی گردن پر نرمی سے ہاتھ پھیرا اور اپنے کندھے دھیرے دھیرے دبائے۔ کمرے میں نگاہ دوڑا کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسامہ کمرے میں نہیں ہے۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس صوفے نما کرسی پر پُرسکون نیند تو آ نہیں سکتی تھی۔ وہ دکھتی کمر پر ہاتھ رکھے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جب وہ فریش ہو کر باہر آئی تو اس نے لاؤنج کے صوفے پر سوتے اسامہ کو دیکھا تو دل میں بے اختیار اس کی عزت کچھ اور بھی بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

دینہ کلاس میں تھی جب اسے گارڈ نے آکر بتایا کہ اس کے گھر سے اسے لینے آئے ہیں۔ دینہ نے جلدی جلدی کتابیں سمیٹیں اور گیٹ کی طرف تیزی سے بڑھ گئی۔ گیٹ پر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے صفدر کو دیکھ کر وہ کچھ اور بھی پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا صفی بھائی۔ سب خیریت ہے ناں؟"

"ہاں، لینے آیا ہوں تمہیں۔"

"ابھی تو بامشکل پہلی کلاس شروع ہوئی تھی۔ گھر میں سب خیریت ہے ناں۔" دینہ کا پریشانی سے رنگ اڑ گیا تھا۔

"ہاں سب خیریت ہے۔ گاڑی میں بیٹھو" صفدر گاڑی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دینہ کی آواز سن کے رک گیا

"لیکن کیوں؟ آپ کیوں اتنی جلدی مجھے لینے آئے ہیں؟"

"گاڑی میں بیٹھو بتاتا ہوں۔" صفدر نے دینہ کو پچھلی سیٹ کی طرف بڑھتے دیکھا تو برجستہ بولا۔ "آگے بیٹھو، ڈرائیور نہیں ہوں تمہارا۔"

"امی نے منع کیا ہے مجھے۔" دینہ نے خودسری سے کہہ کر پچھلا دروازہ کھولا ہی تھا کہ صفدر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور دروازہ بند کر کے اسے اگلی سیٹ کی طرف لے گیا۔ اس طرح ہاتھ پکڑے جانے کے سرعام

تماشے پر دینہ کو ایسا لگا جیسے وہ سڑک پر موجود ہر شخص کی محو نظر بن گئی ہو۔

" سمجھتے کیا ہیں آپ خود کو؟" صفدر کے گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ چیخی۔

"میرے سامنے بکواس کی تو دوں گا ایک الٹے ہاتھ کی۔" صفدر نے بنا آواز اونچی کیے اتنی سختی سے کہا کہ دینہ اس کا اٹھا ہاتھ دیکھ کر ایک دم پیچھے ہٹی۔" تمہیں ایک دفعہ کی بات سمجھ نہیں آتی۔" صفدر نے غصے سے گاڑی گیئر میں ڈالی تاکہ لوگوں کی نظروں سے دور ہو جائے۔

" کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے؟" دینہ نے راستہ دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ راستہ گھر کو نہیں جاتا۔

"اغوا کر رہا ہوں تمہیں۔ روک سکتی ہو تو روک لے دکھاؤ۔" صفدر کا غصہ بالکل بے قابو ہو چکا تھا۔ دینہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ صفدر نے اسے مزید سخت آواز میں ڈانٹنے کے لیے اس کی طرف نگاہوں کا رخ کیا تو الفاظ حلق میں ہی رہ گئے۔" ارے یار نہیں اغوا کر رہا ہوں۔" سارا کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ دینہ نے اس کی طرف دیکھا تو دل ایسے بھر آیا کہ وہ بلک پڑی۔" ارے یار خدا کا خوف کرو کیوں رو رہی ہو ایسے؟" صفدر نے گاڑی خالی روڈ کے کنارے کھڑی کر دی۔ اس نے دینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامنے کے لیے آگے بڑھایا تو دینہ نے بجلی کی طرح اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔

" ہاتھ نہیں لگائیں مجھے۔" دینہ روتے روتے بولی۔

"اچھا نہیں ہاتھ لگاؤں گا۔ رونا تو بند کرو۔" صفدر نے پریشانی سے کہا۔

" مجھے گھر جانا ہے۔"

" گھر بھی لے جاؤں گا۔"

" مجھے ابھی جانا ہے اور یہ گھر کا راستہ نہیں ہے۔" دینہ کی بھرائی ہوئی آواز صفدر کے دل میں اتر گئی۔ اس نے مسکرا کر گاڑی اپنے باغات کی طرف موڑی۔ چند لمحوں میں اس نے اپنے باغات کے سامنے گاڑی روکی۔ جب اس نے دینہ کی طرف کا دروازہ کھولا تو دینہ اترنے کو تیار نہ ہوئی۔

" نہیں اغوا کر رہا تمہیں۔ اپنی ہی عزت پر تو ڈاکہ نہیں ڈالوں گا ناں۔" صفدر نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"لیکن آپ کالج سے مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" دینہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں ہزاروں ایکڑ پر پھیلے باغ کی طرف دیکھا جہاں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"باہر تو آؤ بتاتا ہوں۔" صفدر کے انداز کی خوبصورتی بتا رہی تھی کہ اس کے ذہن میں کچھ خاص خیال ہے۔

"اب آؤ گی یا گود میں اٹھا کر لے جاؤں۔" صفدر نے اس کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"رونا آ رہا ہے مجھے۔"

"رلانے نہیں لایا ہوں۔ آ جاؤ۔" صفدر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی سے اتار لیا۔ ساتھ ساتھ چلتے وہ درختوں کے بیچ گم ہو گئے۔

"بھائی یا امی کو پتا چل گیا تو کیا سوچیں گے وہ میرے بارے میں؟" دینہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم سے زیادہ تو وہ میرے بارے میں سوچیں گے ناں۔"

"تو کیوں کر رہے ہیں ایسے؟"

"تمہیں تائی امی کے جوتوں سے ڈر لگ رہا ہے یا سکندر بھائی کی پستول سے؟"

"کسی کی نظروں میں انسان گر جائے ناں تو گولی لگے بغیر ہی مر جاتا ہے۔"

"ایسی باتیں بھی کر لیتی ہو۔" صفدر حیرت سے مسکرایا۔

"صفی بھائی۔" اس سے پہلے کہ دینہ مزید کچھ کہتی صفدر نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے شش کر کے خاموش کرا دیا۔ دینہ گھبرا کر پیچھے ہٹی تو اس کی کمر درخت کے تنے سے جا لگی۔ صفدر نے اس کے اور اپنے بیچ کا فاصلہ طے کیا اور گمبھیر آواز میں بولا۔ "بھائی نہیں کہو۔"

دینہ جو کہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اس نے اپنی آنکھیں دھیرے سے نیچے کر لیں۔

"محبت کرتا ہوں تم سے۔" صفدر نے نرمی سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ میں لیا تو دینہ کا بے قابو دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا کہ اسے اپنے کانوں میں صرف اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز آ رہی تھی۔

"جب سے اس دل نے دھڑکنا شروع کیا ہے تمہارے لیے ہی دھڑکا ہے۔" وہ دینہ کی طرف جھکا تو دینہ کا خون رگوں میں لاوا بن کر گردش کرنے لگا۔

"جب تک تمہاری طرف قدم نہیں بڑھایا تھا تمہارے بڑے ہونے کا انتظار اتنا اذیت ناک نہیں تھا۔اب جب تم بڑی ہوگئی ہو تو انتظار نا قابل برداشت ہو گیا ہے۔" صفدر درخت کے تنے پر ہاتھ رکھ کر مزید جھکا تو دینہ کو لگا اس کی ٹانگیں کسی بھی لمحے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیں گی۔

"سوچ رہا ہوں تایا سے بات کروں۔مزید دو سال شادی کے لیے نہیں رک سکتا ہوں۔"

دینہ نے ناسمجھی میں سر اٹھا کر صفدر کی طرف دیکھا۔وہ اس کی حیرت سمجھ گیا۔"بچپن کی منگیتر ہو میری۔"

دینہ پوری آنکھیں کھولے اسے بس دیکھے ہی گئی۔صفدر مسکرا کر پیچھے ہٹا۔"اپنے ہی گھر میں نقب نہیں لگا رہا تھا۔اپنی منگیتر سے اظہار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"گھر میں سب کو پتا ہے؟" دینہ جب بولنے کے قابل ہوئی تو اس نے حیرت سے پوچھا۔صفدر نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے بازو سینے پر باندھے کیونکہ اسے بانہوں میں لینے کی خواہش شدید تر ہو رہی تھی۔

"مجھے تو کبھی کسی نے نہیں بتایا۔" دینہ نے اسے شکی نگاہوں سے دیکھا تو صفدر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"آج جا کر پوچھ لینا۔"

"ہاں، بالکل، میں پوچھوں گی کہ بتائیں کہ صفدر بھائی سے میری منگنی کی ہے یا نہیں تا کہ امی خوب ٹھکائی کریں۔"

"تو پھر میری بات پر یقین کر لو اور پلیز بھائی تو مت کہا کرو۔"

صفدر کے کہنے پر دینہ نے موقع محل دیکھتے ہوئے منہ بنایا۔"تم نے پوچھا تھا کہ تمہارے گھر میں میری اتنی بات کیوں مانتے ہیں۔"

"ارے ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔پر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ میرا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں۔"

اس کی بات پر صفدر مسکراتا ہوا اس کے قریب ہوا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔"اس کا مطلب ہے کہ صرف میں ہی تمہارا ہاتھ پکڑ سکتا ہوں۔"

"ہاتھ چھوڑیں پلیز۔" دینہ نے پلکیں جھکا کر کہا۔صفدر نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا کر چھوڑ دیا۔

"اب گھر چلیں؟" دینہ کے پوچھنے پر صفدر نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"تمہیں کچھ لے کر دینا ہے۔بازار لے کر جا رہا ہوں تمہیں۔"

"گھر جانے میں دیر ہو گئی تو امی بہت ڈانٹیں گی۔"

"وقت پر گھر پہنچا دونگا۔فکر نہ کرو۔"

صفدر اسے سیدھا جیولر شاپ پر لے گیا جہاں اس نے ایک بھاری سی ہیرے کی انگوٹھی اس کے لیے خریدی۔دینہ انگوٹھی دیکھ کی پریشان ہو گئی۔

"امی کو کیا کہوں گی؟"

"کچھ سوچ لیں گے۔"اس نے اپنے ہاتھوں سے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنائی"اب اسے کبھی اتارنا مت۔"وہ مسکرا کر بولا۔

جب دکان سے باہر نکلے تو دینہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔صفدر نے مڑ کر اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کو معنی خیز انداز میں دیکھا تو اس نے جھٹ ہاتھ چھوڑ دیا۔

"گول گپے"اس نے گول گپوں والے کی طرف اشارہ کیا۔

"گاڑی میں آجاؤ۔منگواتا ہوں۔"

شام میں دینہ سفینہ کے ساتھ بیٹھی آم کھا رہی تھی۔دل میں مسلسل ہلچل ہو رہی تھی کہ کس طرح صفدر کے بارے میں پوچھے۔

"بھابھی!کیا آپ کی پسند کی شادی تھی؟"

دینہ کے سوال پر سفینہ کو ہنسی آگئی۔

"کیسی باتیں پوچھ رہی ہو؟"

"کیوں پسند کی شادی تو ہو سکتی ہے ناں؟"دینہ نے ایک لمحے کا توقف کیا اور خود ہی اپنی سوچ کو رد کر دیا "لیکن سکندر بھائی کو کون پسند کر سکتا ہے؟"

سفینہ اس کی بات پر اتنی زور سے ہنسی کہ دینہ نے انہیں حیرت سے دیکھا اور اسے اندازہ ہوا اس نے پہلے

کبھی سفینہ کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

"اب تو تمہارا دلہن بننے کا وقت قریب آ گیا ہے۔" انہوں نے پیار سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ میں لیا

"مجھ سے تو کسی نے نہیں کہا۔"

"میں کہہ رہی ہوں ناں۔" انہوں نے تیز چھری سے آم کاٹا اور اس کے سامنے رکھا۔

"لیکن مجھ سے پوچھنا بھی تو ضروری ہے ناں۔" دینہ کی دلچسپی آم میں بالکل ختم ہو گئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ٹکڑا پلیٹ میں رکھا۔

"ارے پگلی، لڑکیوں سے کون پوچھتا ہے" سفینہ بھابی نے چھری پلیٹ کے کنارے رکھ کر آم کا ٹکڑا اٹھا لیا

"کیوں بھابھی، شادی تو لڑکی لڑکے دونوں کی ہوتی ہے۔ دونوں سے پوچھنا چاہیے ناں۔"

"تم کچھ زیادہ ہی پڑھ گئی ہو۔ یہاں لڑکوں کی مرضی نہیں پوچھی جاتی تم تو پھر لڑکیوں کی بات کر رہی ہو۔" ان کے لہجے کا درد کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ دینہ نے حیرت سے ان کی آنکھوں میں جھانکا لیکن درد کا جو دریا وہاں بہہ رہا تھا دینہ اسے دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

"میں شادی نہیں کروں گی بھابھی۔ میں بہت پڑھوں گی۔ مجھے رائٹر بننا ہے۔"

"غلطی سے بھی یہ بات کسی اور کے سامنے مت کرنا ورنہ یہ جو کالج جا رہی ہو ناں یہ بھی بند ہو جائے گا۔ سکندر اگلے ہی ہفتے تمہیں رخصت کر دیں گے۔"

"اگر سکندر بھائی نے ایسا کچھ بھی کرنا چاہا تو میں ابا سے بات کروں گی۔" دینہ اٹھلائی۔

"ایک مرد کی شکایت دوسرے مرد سے کرو گی؟" سفینہ بھابھی اس کی ناسمجھی پر مسکرائیں۔

"کوئی رشتہ بھی ہے میرا ان مردوں سے۔"

"ان سے تمہارا رشتہ عزت اور غیرت کا ہے، جذبات کی کوئی قدر نہیں ہے یہاں۔"

"کیا آپ نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی بھابھی؟" دینہ کا سوال سفینہ کو لرزا گیا۔ دماغ میں گونجتی گولیوں کی آوازیں اسے ماضی کی بہت ہی اذیت ناک یادوں میں لے گئیں۔

"نہیں۔" ان کے چہرے پر ناگواری سے زیادہ درد دیکھ کر دینہ سمجھ گئی کہ ان کا دل چوٹ زدہ ہے۔ "یہ

انگوٹھی کہاں سے لائی ہو؟" انہوں نے اچانک ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو دینہ گڑبڑا گئی۔

"کالج کے باہر ایک سٹال لگتا ہے آج وہیں سے خریدی تھی۔" دینہ نے فراوانی سے جھوٹ بولا۔

"واہ بھئی، صفدر نے سٹال تک جانے دیا تمہیں۔ بہت ہی خوبصورت ہے ایسے لگتا ہے جیسے سچ میں ہیرے کی ہو۔"

"ہے ناں۔ مجھے بھی بہت اچھی لگی تھی۔"

"امی سے کہتی ہوں جلد تائی امی سے بات کریں۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"کیسی بات؟"

"بڑی ہو گئی ہو اس لیے اب سمجھ جاؤ۔ صفدر کی بچپن کی منگ ہو تم۔" وہ کہہ کر پلیٹ اٹھا کر اٹھ گئی۔ دینہ نے انہیں پُرسوچ انداز میں دیکھا۔ ان کے وجود کا انگ انگ ان کے درد کی گواہی دے رہا تھا۔ کچھ درد کتنے خاموش ہوتے ہیں اور آنکھوں سے کس طرح اوجھل رہتے ہیں لیکن جب دکھ جائیں تو پھر ان دیکھے نہیں کئے جا سکتے ہیں۔

دینہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ کتاب ہاتھ میں تھی مگر دماغ کہیں اور ہی الجھا ہوا تھا۔ فون کی گھنٹی پر وہ چونک گئی۔ اس نے فون کان سے لگا کر سلام کیا۔ چند لمحے بات کرنے کے بعد صفدر نے پوچھا۔ "انگوٹھی کے بارے میں کسی نے تم سے کچھ پوچھا؟"

"ہاں، بھابھی نے پوچھا تھا۔ میں نے کہہ دیا کالج کے باہر ایک سٹال سے خریدی ہے۔"

"واہ! جھوٹ تو کمال کا بولتی ہو۔"

"آپ کی وجہ سے بولا ہے ورنہ مجھے عادت نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ مجھے پسند بھی نہیں ہے کہ کوئی مجھ سے جھوٹ بولے۔"

"بالکل ٹھیک، اگر آپ سے جھوٹ بولا جائے تو پسند نہیں ہے اور اگر آپ کے لیے بولا جائے تو واہ۔" دینہ نے تیز آواز میں کہا۔

"منگیتر ہوں تمہارا۔ تمہیں گفٹ دینا چاہتا تھا۔ کچھ غلط تو نہیں کیا ناں؟"

"غلط نہیں کیا تو ڈنکے کی چوٹ پر کرتے۔" دینہ کی آواز میں چیلنج ہی چیلنج تھا۔

"ڈنکے کی چوٹ پر شادی کرونگا۔ چیلنج کرتی ہو تو کل ہی امی کو بھیج دیتا ہوں۔"

"شادی نہیں کرنی مجھے۔" دینہ کی آواز خود بخود ہی دھیمی ہوگئی۔

"کیا مطلب؟" صفدر بستر پر اٹھ بیٹھا۔ یہ بات سننے کی تو اسے امید بھی نہیں تھی۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں۔ شادی کے بعد سب عورتیں اداس رہتی ہیں اور مجھے اداس رہنا بالکل پسند نہیں ہے۔"

صفدر گہرا سانس خارج کر کے واپس بستر پر لیٹ گیا اور مسکراتی آواز میں بولا۔ "کسے اداس دیکھ لیا تم نے؟"

"بھابھی کو۔ مجھے ان جیسا نہیں بننا۔"

"ہر انسان اپنا ہی بویا کاٹتا ہے۔ میں تمہیں اداس نہیں ہونے دونگا۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم ہو ہی اتنی پاکیزہ کہ تم سے محبت خود بخود ہی ہوگئی ہے۔"

"آپ مجھے آگے پڑھنے دیں گے کیا؟" دینہ کا دل اس کی آواز سے پسیج گیا تھا۔

"آگے پڑھ کے کون سا تم نے نوکری کرنی ہے اور پڑھنے دے تو رہا ہوں۔ بی اے کافی نہیں ہے کیا؟"

"نہیں۔" دینہ نے معصومیت سے سرنفی میں ہلایا۔ "مجھے پی ایچ ڈی کرنی ہے وہ بھی امریکہ سے۔"

صفدر اس کی معصومیت پر ہنسا۔ "امریکہ چلی جاؤ گی تو ہمارا کیا بنے گا؟"

"ہم کون؟"

"میں اور ہمارے بچے۔"

صفدر کی بات پر دینہ اتنا شرمائی کہ اس کا چہرہ کانوں تک لال ہوگیا۔ الفاظ نے حلق سے نکلنے سے صاف انکار کر دیا۔

"بتاؤ؟" کچھ دیر جواب نہ پا کر صفدر نے پوچھا۔

"مجھے امی بلا رہی ہیں۔" یہ کہہ کر دینہ نے فون رکھ دیا۔ صفدر فون کو دیکھ کر مسکرا کر رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ

http://sohnidigest.com

اگر دینہ اور بچوں کا تصور اتنا خوبصورت ہے تو حقیقت کتنی خوبصورت ہوگی۔

☆......☆......☆

"سنو، میں اپنے لیے لیمن چکن آرڈر کر رہا ہوں تمہارے لیے کیا منگواؤں؟" دینہ دھلے کپڑے اتار رہی تھی جب اسے اپنے پیچھے اسامہ کی آواز سنائی دی۔

"کچھ بھی آرڈر مت کرو۔ میں تمہیں لیمن چکن گھر پر بنا دیتی ہوں۔"

"بالکل بھی نہیں۔ تم صبح سے کام کر رہی ہو۔ میں کھانا باہر سے منگواتا ہوں پھر بیٹھ کر میرا ڈرامہ دیکھتے ہیں آج پہلی قسط چل رہی ہے۔ تم بتاؤ تمہیں کیا کھانا ہے؟"

"تم جو اپنے لیے منگوا رہے ہو وہی میرے لیے منگوالو۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھئی۔ تم میری پسند کا کیوں کھاؤ گی؟" اسامہ نے جیب سے فون نکالا۔ دینہ سارے خشک کپڑے ٹوکری میں ڈال کر ٹوکری اٹھا کر اندر کی طرف چل پڑی۔

"میری پسند ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کچھ بھی منگوالو۔" دینہ نے ٹوکری لاؤنج میں رکھی۔ اسامہ اس کے پیچھے اندر آ گیا تھا۔ دینہ ٹوکری سے کپڑے نکال کر تہہ کرنے لگی۔

"عجیب ہی ہو تم۔ ہر ایک کی اپنی پسند ہوتی ہے اور ہر ایک کی پسند کی اہمیت بھی ہوتی ہے اور تمہاری پسند کی اہمیت میری پسند سے کم تو نہیں۔"

دینہ ہاتھ میں پکڑے کپڑے بھول کر اسامہ کو غیر یقینی کے سے انداز میں دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر پھیلی اس قدر حیرت کو دیکھ کر اسامہ کچھ کنفیوز سا ہو گیا۔ "کیا ہو گیا ہے یار؟"

"میں نے کبھی کسی مرد کو یہ کہتے نہیں سنا ناں تو بہت حیرت ہو رہی ہے مجھے۔"

"تمہاری شکل سنجیدگی موڈ میں کچھ اور بھی خوفناک لگنے لگتی ہے۔ اب بتا بھی دو کیا کھاؤ گی۔ میرا ارادہ بدل گیا ناں تو خود ہی پکانا پڑے گا۔" اسامہ بے صبری سے بولا۔

"بیف چلی۔" دینہ نے کہہ کر اپنی توجہ کپڑوں کی طرف مبذول کر لی۔ آرڈر کر کے اسامہ نے اپنے لیپ ٹاپ پر ڈرامہ چلایا۔ دینہ کپڑے تہہ کر کے اس کے برابر آ بیٹھی اور دھلی ہوئی جرابوں کا ایک ڈھیر اس نے اسامہ کی

گود میں رکھ دیا۔ اسامہ نے بنا کچھ کہے جرابوں کے جوڑے بنانا شروع کر دیئے۔

وقتاً فوقتاً دینہ اپنی گھنی پلکیں جھپک کر اسامہ کو دیکھ رہی تھی۔ دل ایک انوکھی سی لے پر دھڑک رہا تھا۔ یہ احساس اسے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا۔ دل کے دھڑکنے میں ایک انوکھی سی گرمی کے ساتھ جو عزت کا جذبہ تھا یہ ایک بالکل ہی اجنبی احساس تھا۔ دینہ جو احساسات کو قلم بند کر کے لوگوں کی روحوں کو چھو جاتی تھی خود اپنے احساسات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ایک عرصہ بیت گیا تھا اس نے خواب دیکھنا چھوڑ دیئے تھے۔ رائٹر بننے کا خواب حقیقت بن چکا تھا۔ اس کے بعد دل ایسے خالی تھا جیسے کسی فقیر کا کشکول خالی ہو اور فقیر کشکول سے بے نیاز کسی ان سنی دھن پر محو رقص ہو۔ ڈرامے میں کیا ہو رہا تھا اسے کچھ علم نہیں تھا وہ تو اپنے دل میں ہونے والی ہلچل میں ہی الجھی ہوئی تھی۔

گھنٹی کی آواز پر دینہ ایک دم چونکی۔ اسامہ نے ڈرامہ روک کر اپنا والٹ لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دینہ کھانا پلیٹ میں ڈالنے کے لیے اٹھی ہی تھی کہ اسامہ اسے بیٹھنے کا کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔ دو پلیٹوں میں کھانا ڈال کر جب واپس آیا تو دینہ اس کی ایک ایک حرکت میں مزید الجھتی جا رہی تھی۔

"یہ کام تو عورتوں کا نہیں ہوتا؟" دینہ نے اپنی طرف بڑھی ہوئی پلیٹ کو تھام کر کہا۔

"ایسی عورتیں تو خدا جانے کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہیں۔ فی الحال میرے حصے میں تو تم جیسی پھوہڑ عورت آ گئی ہے۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر اس کے برابر آ بیٹھا۔

"بے ہودہ آدمی۔" دینہ نے اسے ایک چپت رسید کی۔ وہ ہنستے ہوئے ڈرامہ چلا کر کھانا کھانے لگا۔

"اپنا ٹرائے کراؤ۔" کچھ لمحوں بعد اسامہ نے اس کی پلیٹ سے نوالہ لیا تو دینہ اسے ایسے دیکھنے لگی جیسے پہلے کبھی اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

"اب بتاؤ کیسا لگا ڈرامہ؟" ڈرامہ ختم ہوتے ہی اسامہ دینہ کی طرف مڑا۔

"ہاں، اچھا تھا۔" دینہ گڑبڑا گئی۔ وہ تو اپنی سوچ میں ایسے الجھی ہوئی تھی کہ ڈرامہ دیکھ ہی نہ پائی تھی۔

"بس؟" اسامہ حیران ہوا۔ دینہ تو ڈرامے پر اتنا تبصرہ کرتی تھی کہ اسے چپ کرانا مشکل ہو جاتا تھا۔ "ہاں سمجھ گیا" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اسامہ بولا۔ "تمہیں مجھے دیکھنے سے فرصت ہی کہاں ملی کہ تم ڈرامے پر

غور کر پاتی۔"

دینہ چوری پکڑے جانے پر گھبرا گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے لہجے میں سختی لانی چاہی مگر گھبراہٹ کے مارے الفاظ ہی بامشکل لبوں کی سرحد پار کر پائے۔

"جھوٹی۔ میں اتنا حسین و جمیل ہوں کہ لڑکیاں مجھے دیکھتے ہی مر مٹ جاتی ہیں۔"

"کونے والے جمیل کے جیسے تو تم یقیناً لگتے ہو حسین کا مجھے پتا نہیں۔"

اسامہ نے بھینگے جمیل کے بارے میں سوچ کر منہ بنایا۔ دینہ اپنی پلیٹ لے کر اٹھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے کچن میں چلا گیا۔

"کچھ بھی کہہ لو تم۔" وہ پلیٹ رکھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "دیکھ تو رہی تھی تم مجھے۔" وہ مسکرایا۔

"کہیں مجھ سے محبت تو نہیں ہونے لگی ہے؟" اس نے مکمل سنجیدگی سے کہا تو دینہ نے رخ موڑ لیا۔

"کچھ زیادہ ہی خوش فہمی نہیں ہے تمہیں اپنے بارے میں۔" اس نے دھونے کے لیے پلیٹ اٹھالی۔

"ہو بھی سکتی ہے۔" وہ دینہ کے قریب ہو کر بولا۔ "مگر یہ جو تمہاری آئینے سی شفاف آنکھیں ہیں ناں، یہ مجھ پر سب کچھ عیاں کر دیتی ہیں۔" اس نے دینہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کے کان کے قریب گہری آواز میں سرگوشی کی اور دینہ کے کانپتے ہاتھوں کو دلچسپی سے دیکھا۔ ایک خوبصورت سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

"تم ایسا کرو آسیہ، سفینہ کو کسی بڑے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔ میرا خیال ہے شہر لے جاؤ۔ دو چار دن ادھر ہی رہو۔ سارے ٹیسٹ وغیرہ کراؤ۔ آخر معلوم تو ہو کب سکندر کے گھر اولاد ہو گی۔ میں تو پوتے کے لیے ترس گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہاں تو کتنی دفعہ ڈاکٹر کو دکھایا ہے۔ دوائیاں کھا کھا کر بیچاری آدھی رہ گئی ہے۔ شہر لے جانا مناسب ہے۔ اللہ اس کی گود ہری کرے۔ شادی کو اتنے سال گزر گئے ہیں یہ ہمارا ہی حوصلہ ہے کہ اس پر سوتن

نہیں لائے ہم۔"

"سکندر مان جاتا تو تم تو کب کے شادیانے بجا چکی ہوتی۔ دوہرا رشتہ بنتا ہے فیاض کے گھر سے ہمارا۔ ان کی بیٹی کو سکھی رکھیں گے تو ہی وہ دینہ کا خیال رکھیں گے۔"

"بس میرا منہ نہ ہی کھلوائیں آپ۔ ان کی بیٹی کے کرتوتوں اور میری تربیت میں بڑا فرق ہے۔"

"بڑا بول صرف رب کو ہی زیب دیتا ہے آسیہ۔ بیٹیوں کی عزت سانجھی ہوتی ہے زبان سنبھال کر بات کیا کرو۔" ملک ولی کی آواز میں ناگواری نمایاں تھی۔

"سب کچھ میں ہی سنبھالوں۔ آپ کا گھر، اولاد اور عزت سب کو۔" آسیہ بھنا کر بولی۔

"عورت کا کام ہی ہوتا ہے یہ سب سنبھالنا۔ اب بحث بند کرو اور جانے کی تیاری کرو۔ سکندر کو کہتا ہوں تم لوگوں کے ساتھ جائے۔"

"وہ تو ہر وقت انگارے چبائے رکھتا ہے۔ ڈاکٹر کا سنے گا تو سنتے ہی اکھڑ جائے گا۔ ہم کرمو کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔"

"چلو یہ بھی مناسب ہے۔ سکندر نے ویسے بھی زمینوں کے سلسلے میں اسلام آباد جانا ہے۔"

"اور یہ دینہ کا کیا کروں؟"

"کیا کرنا ہے اس کا؟" ملک صاحب اپنی بات مکمل کر کے واسکٹ پہن رہے تھے۔

"اسے کہاں چھوڑوں؟"

"فیاض کے گھر چھوڑ دو اسے چند دن۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں ملک صاحب۔ وہاں کیسے رہ سکتی ہے؟"

"ویسے ہی جیسے آج سے پہلے رہتی رہی ہے۔ اس کے کالج کا حرج ہو جائے تو منہ اتر جاتا ہے اس کا۔ میں صفدر سے کہہ دوں کا اس کے آنے جانے کا خیال رکھے گا۔"

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" آسیہ نے بادل نخواستہ حامی بھر لی۔

جب سفینہ کو معلوم ہوا اس نے ہر چند کوشش کر لی کہ کسی طرح یہ سفر منسوخ ہو جائے۔ جب وہ ناکام ہو گئی تو

اپنا سامان باندھنے چل پڑی لیکن جب دینہ کو معلوم ہوا تو اس نے گھر سر پر اٹھا لیا۔ بس ایک ہی رٹ تھی کہ میں اپنے گھر میں ہی رہوں گی۔ اسے ایک ہی چھت تلے صفدر کے ساتھ رہنے سے شرم تو شرم، خوف محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی تو اس کے ساتھ صرف گاڑی کا سفر کرتی تھی تو اس کی جان حلق میں پھنسی رہتی تھی۔ ایک ہفتہ دن رات اس کے گھر میں کیسے رہ سکتی تھی لیکن امی نے اس کی ایک نہ سنی اور ہفتے کے دن شہر نکلنے سے پہلے اسے چچی کے گھر چھوڑ گئیں۔

چچی تو اسے دیکھ کر پورا مٹھائی کا ڈبہ بن گئیں۔ گھر کے مرد گھر نہیں تھے اس لیے وہ سکون سے لاؤنج میں بیٹھ کر چچی سے تازہ ترین ڈراموں پر تبصرہ کرنے لگی۔ جب ڈراموں پر تبصرہ ہو گیا تو چچی نے رشتے داروں کی شکایتوں کی پٹاری کھول لی۔ ابھی وہ بامشکل بند ہوئی تھی کہ چچی نے گاؤں کے عامل بابا کے کرتوتوں سے پردے فاش کرنے شروع کر دیے۔ عامل بابا کے قصے تو خوفناک ہی نہیں ہولناک بھی تھے۔ دینہ تو اس کے کرتوت سن کے آنکھیں پھاڑے بس چچی کو دیکھے گئی اور چچی کی ٹرین بھی ایسی چھوٹی کہ کسی بھی اسٹیشن پر رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بالآخر جب انہیں کھانا پکانے کا خیال آیا تو دینہ نے عافیت اسی میں جانی کہ کمرے میں جا کر سو جائے۔

جب گھر کے سب مرد لاؤنج میں جمع ہوئے تو چچی نے کھانا لگانے کا حکم صادر کیا۔ لیکن کھانا شروع کر لینے کے بعد ایک دم چچی کو خیال آیا کہ دینہ کو تو انہوں نے بلایا ہی نہیں۔

"زینت، جا کر دینہ کو تو بلا لاؤ اسے تو میں بھول ہی گئی تھی۔"

"دینہ۔" صفدر کا ہاتھ پلیٹ میں سالن ڈالتے ڈالتے تھما۔ "وہ یہاں کیسے؟"

"بڑی بھابھی چھوڑ گئی ہیں اسے۔ ہفتہ بھر ادھر ہی رہے گی۔ وہ سفینہ کو لے کر شہر گئی ہیں۔ بس دعا کرو خدا سفینہ کی بھی گود ہری کر دے۔"

"آمین۔" چچا نے صدق دل سے کہا۔ اپنی بیٹی کی بے اولادی پر وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ میاں بیوی دن رات منتیں مرادیں مانگتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس دن سکندر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ سوتن اس کے سر پر بٹھا دے گا۔

"اور ہاں صفدر، بھائی جان کہہ گئے تھے کہ دینہ کو کالج لانے لے جانے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ خیال

رکھنا۔"

"جی بہتر۔" صفدر نے فرمانبرداری سے سر ہلایا۔ یہ ذمہ داری اٹھانے کے لیے تو وہ جی جان سے تیار تھا۔ وہ ذہنی طور پر فیکٹری اور باغات کے کاموں کے بارے میں سوچنے لگا کہ اپنی مصروفیت کیسے کم کرے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت گھر پر رہ سکے۔

"السلام علیکم۔"

ابھی وہ ذہنی طور پر پلان ترتیب دے ہی رہا تھا کہ دینہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ عالیان اور صفدر نے ایک ساتھ اسے جواب دیا۔ چچا نے گرم جوشی سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ دینہ چچی کے برابر عالیان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور سر سے ڈھلکتے دوپٹے کو اس نے سر پر سیٹ کیا۔ عالیان کی نظر اس کے ہاتھ سے ہوتی ہوئی اس کے سر تک گئی اور پھر سر سے سرکتی اس کے وجود کا حصار کرنے لگی۔ ایک انجانی سی کشش اسے اپنے جانب کھینچتی ہوئی محسوس ہوئی۔

کھانے کی میز پر سب سے زیادہ باتیں چچی ہی کر رہی تھیں لیکن اپنی جانب وقتاً فوقتاً اٹھنے والی صفدر کی نظر سے وہ خوب واقف تھی۔ صفدر کی نظروں کے حصار میں کھانا ختم کرنا تو دور کی بات، حلق سے نوالہ اتارنا بھی مشکل لگ رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی سر اٹھا کر صفدر کی جانب نہیں دیکھا لیکن اس کے گالوں پر پھیلی لالی اس بات کی مظہر تھی کہ وہ اس کے وجود سے بے خبر نہیں ہے۔ عالیان بخوبی اپنے بھائی کی نظروں کو پہچان رہا تھا۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ دینہ اس کے بھائی کی بچپن کی منگیتر ہے لیکن اس کی خوبصورتی اتنی گھائل کر دینے والی تھی کہ دل بار بار اس کی جانب کھنچا جا رہا تھا۔ اس نے ذہنی طور پر خود کی سرزنش کی اور اپنا مکمل دھیان کھانے کی جانب مبذول کر لیا۔

جب کھانا کھا کر سب لاؤنج میں چائے پینے کی خاطر جمع ہوئے تو دینہ معذرت کر کے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ صفدر نے کچھ افسوس اور کچھ غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے آنکھوں سے اوجھل ہوتے دیکھا۔ کمرے میں آ کر دینہ کی جان میں جان آئی۔ صفدر کی آنکھوں کی تپش نے اس کا نظروں سے اوجھل ہو جانے تک پیچھا کیا تھا۔

"ایسے کرتا ہے کوئی بھلا۔" اس نے خود سے ہی شکوہ کیا مگر اس شکوے میں چھپی خوشی اور دبے دبے جوش سے وہ ناواقف نہیں تھی۔ خود کو سرزنش کرتے ہوئے اس نے اپنی کتابیں کھولیں مگر دل تو کوئی اور ہی گیت گا رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ کتابوں کے ساتھ جنگ کرنے کے بعد دینہ نے بالآخر ہار مانتے ہوئے کتابیں بند کر دیں۔ اس نے کچھ بے چینی سے فون کی جانب دیکھا اور فون کی گھنٹی بند کر دی۔ مبادا صفدر کے فون کا کسی کو پتا ہی نہ چل جائے۔ فون سرہانے رکھے رکھے وہ کب سو گئی اسے معلوم ہی نہ ہوا۔

صفدر رات میں دیر تک ابو سے باغات، فیکٹری اور زمینوں کے بارے میں بات کرنے کے بعد جب کمرے میں آیا تو کمرے میں آتے ہی سب سے پہلا خیال اسے دینہ کا آیا۔ اس نے اس کا نمبر ملایا مگر کئی بار کوشش کے بعد بھی اس نے فون نہیں اٹھایا۔ صفدر نے کچھ سوچ کر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دینہ کے دروازے پر اس نے چند بار دھیرے دھیرے دستک دی۔ جب جواب نہیں ملا تو وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ احتیاط کے طور پر اس نے دروازہ لاک کر دیا کہ کہیں کوئی اندر ہی نہ آ جائے۔

گھپ اندھیرے میں دینہ مزے سے سو رہی تھی۔ جب چند لمحوں میں صفدر کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو وہ اس کے بستر تک پہنچا اور دھیرے سے سوتی ہوئی دینہ کا کندھا ہلایا۔ دینہ نے ہلکی ہلکی آنکھیں کھولیں۔ اندھیرے اور سوتے ہوئے دماغ کے ساتھ کچھ سمجھ نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے آنکھیں ملیں اور اپنے بستر کے برابر ایک سایہ سا دیکھ کر تو گھپ اندھیرے میں اس کے چودہ طبق ایسے روشن ہوئے کہ ایک ہولناک چیخ اس کے گلے سے برآمد ہوئی جو کہ صفدر تو کیا گھر کے در و دیوار کو بھی ہلا گئی۔ اس نے اس طرح چادر اپنے اوپر سے اتاری گویا چادر کرنٹ مارتی ہو۔ سائے سے الٹی جانب وہ بجلی کی طرح لپکی اور دروازے کی جانب بھاگی۔ اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکلتی اور پورا گھر سر پر اٹھا لیتی، صفدر نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا اور اسے چیخنے سے باز رکھنے کے لیے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"میں ہوں یار۔ خدا کا واسطہ ہے چیخنا بند کرو۔" صفدر نے جھنجلا کر التجا کی۔ دینہ نے اسے مڑ کر حواس باختہ شکل کے ساتھ دیکھا اور اس کا دل چاہا صفدر کا دل نکال کر ہاتھ میں مسل دے۔

"آپ پاگل تو نہیں ہیں؟" وہ صفدر پر الٹ پڑی۔

"گھوڑے گدھے بیچ کر تم سو رہی تھی اور پاگل بھی میں ہوں۔ میرے فون کا انتظار نہیں کر سکتی تھی؟"

"کیا تھا لیکن کوئی ایسے کسی کے کمرے میں آتا ہے؟" اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی، دروازے پر ہونے والی دستک اور چچی کی آواز سے اس کی جان ہی نکل گئی۔

"چچی آ گئی ہیں۔ آپ کہیں چھپ جائیں۔"

"اپنے دل میں چھپا لو۔" دینہ کے برعکس صفدر نے نہایت تسلی سے کہا۔

"اللہ دے یں آپ کنویں میں گر جائیں۔ کیا ضرورت تھی میرے کمرے میں آنے کی؟" وہ انگلیاں مروڑتی ہوئی کمرے میں ہر جانب نگاہیں دوڑا ئیں کہ صفدر کو کہاں چھپائے اور صفدر کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔

"آپ بیڈ کے نیچے چھپ جائیں۔" اس نے دروازے پر ہتھوڑے کی طرح برسنے والی دستک سے پریشان ہو کر کہا۔ صفدر نے نفی میں سر ہلایا۔

"اف کیا کروں؟" دینہ کا دل چاہا اسے گولی سے اڑا دے اور ایک چچی تھی کہ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر اندر آ جائیں۔

"باتھ روم؟"

صفدر نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔ "یار، پردے کے پیچھے چھپ جائیں ناں پلیز۔" دینہ رو دینے کو تھی۔ صفدر نے اسے کندھوں سے پکڑا اور دھیمی آواز میں کہا۔

"تم دروازہ کھولو۔" دینہ چاروناچار دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ صفدر دروازے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہو گیا تھا بیٹی۔ تم نے ایسے دہشت ناک چیخ کیوں ماری؟"

دینہ نے ایک لمحے کو سوچا کہ کہہ دے کچھ نہیں ہوا لیکن دروازے کے پیچھے اطمینان سے کھڑے صفدر سے بدلہ لینا بھی تو ضروری تھا۔

"ہائے کیا بتاؤں چچی۔ میں تو سو رہی تھی پھر جو میری آنکھ کھلی تو ایک سایہ دکھائی دیا۔ میرے بیڈ کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔"

"ہائے ہائے بیٹی یہ کیا کہہ رہی ہو؟" چچی کی تو روح ہی فنا ہو گئی۔

"ہاں ہاں ۔ یہ لمبی لمبی زلفیں، ایسا بھیانک چہرہ کہ کیا میں کیا بتاؤں آپ کو ۔ ایسا خوفناک چہرہ تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"ہائے ہوئے ربا۔" چچی نے فٹ دل ہی دل میں دعاؤں کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ دروازے کے پیچھے کھڑا صفدر ساری تفصیلات کی وجہ خوب سمجھ رہا ہے اور دل ہی دل میں کس وبل کھا رہا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے یہ وہ عامل بابا تھا جس کا آپ بتا رہی تھیں۔ اسی کے کرتوت اتنے کالے ہیں۔ شریف انسان تو بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے تو کوئی شیطان کا چیلا محسوس ہو رہا تھا۔"

"ہائے ہائے اسی لیے میری امی سمجھاتی تھیں کہ ایسے منحوس کرتوتوں والوں کا ذکر گھر میں نہیں کرتے یہ بد بلائیں تو گھر کی راہ دیکھ لیں تو چھوڑتی ہی نہیں ہیں۔" چچی نے غم سے ہاتھ ملے۔

"گھر میں کوئی ختم رکھتے ہیں چچی ایسی بد بلائیں کہاں جان چھوڑتی ہیں۔"

"ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم ۔ کل ہی گھر میں ختم رکھتی ہوں۔" چچی کا تو بس نہیں چل رہا تھا ابھی قرآن کھول کر بیٹھ جاتیں۔

"آپ اندر آئیں گی؟" دینہ نے معصومیت سے پوچھا تو صفدر کا دل چاہا اس کا گلا دبا دے۔ اس سے پہلے کہ دینہ پورا دروازہ کھول کر چچی کو اندر بلا لیتی اور صفدر کی عزت مٹی میں مل جاتی اس نے دروازے کے پیچھے سختی سے پاؤں رکھ کر اسے مکمل کھلنے سے روکنے کے ساتھ ساتھ دینہ کو بھی خبردار کیا۔ چچی ذرا دروازے کے اندر داخل ہوئی تو صفدر کی جان ہی نکل گئی۔

"میں تم پر دم کر دیتی ہوں۔ تم بھی دعائیں پڑھ کر سو جاؤ۔" چچی اندر داخل ہوتے ہوتے رک گئیں مبادا کہیں کوئی جن انہیں ہی نہ چپک جائے۔ ان کے دم کرنے کے بعد دینہ نے دروازہ بند کیا تو یکدم ہی اس کا بازو صفدر کے سخت ہاتھ میں آ گیا۔

"شیطان کا چیلا کہہ رہی تھی مجھے۔"

صفدر کی بات پر دینہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اسے کھلکھلاتا دیکھ کر صفدر چند ہی لمحوں میں اپنا غصہ بھول بھال گیا۔

دینہ نے جب ہنسی پر قابو پایا تو اسے احساس ہوا کہ صفدر گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔

"آپ جائیں یہاں سے۔" وہ گھبرائی۔

"ابھی تو آیا ہے یہ کالے کرتوتوں والا شیطان کا چیلا۔" صفدر اس کی جانب جھکا تو وہ تیزی سے پیچھے ہٹی اور بازو چھڑوا کر دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول کر اسے آنکھوں سے جانے کے لیے کہا۔ صفدر اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ دینہ نے دروازہ چھوڑ کر اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکال دیا۔ صفدر کی آنکھوں ہی میں نہیں لبوں پر بھی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"کمرے سے تو نکال دیا ہے دل سے مت نکالنا۔"

"جائیں۔" دینہ نے منہ بنا کر دروازہ بند کر دیا۔

اپنے کمرے کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے عالیان نے رات کے ایک بجے اپنے بھائی کو دینہ کے کمرے سے نکلتے دیکھا تو اس کے لبوں پر جو مسکراہٹ بکھری اس میں سب کچھ تھا ماسوائے عزت کے۔

☆......☆......☆

"ڈی! مجھے چائے بنا دو پلیز۔"

دینہ اپنے کمرے میں بیٹھی مووی دیکھ رہی تھی جب وہ کھلے دروازے سے اسامہ کی آواز سن کر چونکی۔

"خود بناؤ۔ میں مووی دیکھ رہی ہوں۔" اس نے ایک لمحے کا بھی توقف کیے بغیر کہا۔

"یار بنا دو ناں پلیز میرے سر میں درد ہے۔" وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟" دینہ نے مووی روک کر کچھ فکرمندی سے پوچھا۔

"ہوا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بس سر دکھ رہا ہے اور مجھے ابھی پارٹی میں بھی جانا ہے۔"

"سر میں درد ہے تو تو پھر مت جاؤ۔" دینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جانا ضروری ہے یار۔ نظامی نے بلایا ہے بس اس کی جس قسم کی پارٹی ہوتی ہے ناں دل نہیں چاہتا جانے کا۔ وہ کوئی نہ کوئی لڑکی چپکا دیتا ہے میرے ساتھ۔"

"وہ ٹی وی والا نظامی؟" دینہ نے پر شوق انداز میں پوچھا۔

"ہاں وہی۔ پلیز چائے بنا دو میں تیار ہو کر آتا ہوں۔"

"مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔" دینہ نے تیزی سے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اسامہ کہہ کر کمرے سے نکلا۔

"لے جاؤ ناں، میں کون سا تمہیں روز روز کچھ کہتی ہوں۔"

"یار، وہ بہت اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا ہے۔ تم مت جاؤ۔" اسامہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تم ہو گے ناں ساتھ، پلیز لے جاؤ۔" دینہ نے معصومیت کی بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے التجا کی۔

"چلو کچھ اچھا سا پہننا۔" ناچاہتے ہوئے بھی وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں تیار ہونے چلا گیا۔

اسامہ کب سے لاؤنج میں بیٹھا دینہ کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دو دفعہ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے چکا تھا مگر دینہ کی طرف سے "بس آئی" ہی آیا تھا وہ خود نہیں آئی۔

"ڈی یار! آ بھی جاؤ" وہ گھڑی دیکھ کر جھنجھلایا۔ بالآخر مزید دس منٹ گزر جانے کے بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تو اسے کوئی سخت سی بات کہنے کے لیے اسامہ آگے بڑھا لیکن اسے دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

کالے رنگ کا ٹراؤزر، اونچی پنسل ہیل، اپنی آنکھوں سے ملتی گہرے سبز رنگ کی چست شرٹ اور سفید رنگ کا کوٹ پہنے، آنکھوں پر سموکی میک اپ کیے وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ وہ خوبصورت تھی لیکن وہ اس قدر دلربا بھی ہو سکتی تھی یہ جان کر اسامہ کا ساتھ الفاظ نے ایسا چھوڑا گویا وہ گونگا ہو گیا ہو۔ بالآخر جب بہت سے لمحے بیت جانے کے بعد اسامہ کچھ بولنے کے قابل ہوا تو اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ کر صرف اتنا ہی کہہ پایا۔

"مائی گاڈ۔ یو آر بیوٹی فل۔"

الفاظ تو عام سے تھے مگر کہنے کا انداز ایسا تھا کہ دینہ نے نروس ہو کر اپنی پلکیں جھکا لیں۔ جب اسامہ اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا تو ماحول کو بدلنے کی خاطر دینہ پلکیں جھپک کر بولی۔ "فلرٹ کر رہے ہو؟"

"میں تو عشق کی گہرائیوں میں ڈوب کر دیوانگی کی منزلیں طے کر چکا ہوں، تم فلرٹ کی بات کر رہی ہو۔"

اسامہ ہنستے ہوئے بولا تو اس کے انداز پر دینہ بھی ہنس پڑی۔ اسامہ نے خود کو سنبھالنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی لیکن راستہ بھر اپنی بے قابو ہوتی نظر کو قابو کرنا اس کے لیے ایک امتحان ثابت ہو رہا تھا۔

"سنو۔" دینہ جب گاڑی سے اترنے لگی تو اسامہ نے اسے مخاطب کیا۔ "نظامی کی اوٹ پٹانگ قسم کی گیمز

پر تھوڑے صبر کا مظاہرہ کرنا۔"

وہ پورے راستے اسے نظامی اور پارٹی کے بارے میں بتاتا آیا تھا۔ نکلتے نکلتے اسے لگا ایک مزید یاددہانی ضروری ہے۔ دینہ سر ہلا کر گاڑی سے اتر گئی۔ اسامہ نے اپنی جیکٹ پچھلی سیٹ سے نکالی اور چابی ویلے پارکنگ کے لیے پکڑا دی۔ پارٹی نظامی کے گھر پر تھی اور اس کا گھر کسی محل سے کم نہیں تھا۔ اسامہ نے کوٹ پہننے کے بعد دینہ کی طرف لاشعوری طور پر ہاتھ بڑھایا۔ دینہ نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیا تو اس کے ہاتھ کی گرمی سے نروس ہوتی دینہ کو سہارا سا ملا۔ ریسپشن پر کھڑے نظامی نے دینہ کو سر سے پاؤں تک گھورا اور پھر اسامہ کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ ناگواری سے دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں وہ اس کے دل کو بھا گئی تھی۔

پارٹی میں ہر کوئی اپنی ہی دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ دینہ بہت غور سے لوگوں کو جانچ رہی تھی۔ ہر شخص ہی دوسرے سے کچھ نکلوانا چاہ رہا تھا۔ وہ ہاتھ میں کولڈ ڈرنک لیے کھڑی تھی جب اس کے قریب ایک انتہائی خوبصورت لڑکی آ کر رکی۔

"دینہ، رائٹ؟" اس کے حسن میں اس کی آواز اضافہ کر رہی تھی۔

"جی، آپ؟" دینہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"میرا نام ماہ نور ہے۔ تم مجھے نور کہہ سکتی ہو۔"

"نور ہی لگتی ہیں آپ۔ اتنی خوبصورتی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔"

ماہ نور اپنی تعریف پر نزاکت سے مسکرائی۔

"خود کو جس دن آئینے میں غور سے دیکھا تو دوبارہ ایسا نہیں کہو گی۔" ماہ نور کی ہر ادا میں دلکشی تھی۔ "تمہیں او۔ ذی نے میرے بارے میں کیا بتایا؟"

"ابھی تک تو کچھ نہیں۔ اس جیسا بونگا آدمی اہم باتیں بتانا تو بھول ہی جاتا ہے۔"

"بونگا؟" ماہ نور نے ناسمجھی سے دینہ کی طرف دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تمہاری ہنسی سے لگ رہا ہے کہ تم اس کے بارے میں کچھ اچھا تو نہیں کہہ رہی ہو مگر جو بھی کہہ رہی ہو وہ ٹھیک ہی ہوگا۔"

اسامہ نے دور سے ان دونوں کو ہنستے دیکھا تو ان کی طرف بڑھ گیا۔ ماہ نور سے ہائے ہیلو کرنے کے بعد ماہ نور نے اس سے شکوہ کیا۔ "تم نے اپنی گرل فرینڈ کو میرے بارے میں نہیں بتایا؟"

"یہ گرل فرینڈ بننے کی حامی ہی نہیں بھر رہی تو میں کیا بتاتا۔" اسامہ ہنسا۔

"اوہ سوری۔" ماہ نور نے دینہ کی طرف دیکھا۔

"حامی اس لیے نہیں بھر رہی ہوں کہ میرے برابر کھڑے ہوئے یہ حور کے پہلو میں لنگور محسوس نہ ہو۔" دینہ نے مسکراتے ہوئے چوٹ لگائی۔ ماہ نور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"تم فنی ہو۔ مجھے اچھی لگی ہو۔ کبھی مجھ سے ملنے آنا میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔"

"تم کیا آتے ہوئے جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو پڑھ کے نہیں آئی تھی نور کہ یہ متھے لگی بلا کو دوستی کی دعوت دے رہی ہو؟"

"او۔ ذی۔" نور نے اسے آنکھیں دکھائیں اور دینہ نے نہایت خوبصورتی سے اسے اپنی ہیل کی چوٹ سے چاند تاروں کی سیر کرا دی۔ اسامہ نے اپنی ٹانگ ملتے ہوئے دینہ کو خونخوار نظروں سے گھورا۔ نور کچھ حیرت زدہ سی ان دونوں کو دیکھنے کے بعد مسکراتی ہوئی ان سے اجازت لے کر چلی گئی۔

"بدتمیز۔" اسامہ ابھی بھی درد سے کراہ رہا تھا۔ دینہ کے لبوں کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی۔

ابھی تو اسامہ اسے بہت کچھ کہنے کے موڈ میں تھا جب اسے مائیک پر دینہ کا نام سنائی دیا۔ نظامی اسے گیم کھیلنے کے لیے بلا رہا تھا۔ دینہ یک دم ہی تمام نظروں کا مرکز بن جانے پر پریشان سی ہو کر اسامہ کی طرف مڑی اور اس کا بازو پکڑ کر ایسے اس کے قریب ہوئی گویا کوئی اسے اغوا کرنے والا ہو۔ وہ نظامی کی نظروں سے اس کی شرافت کی کہانی پڑھ چکی تھی۔ ابھی وہ کسی صورت اس کے ساتھ کچھ بھی نہیں کھیلنا چاہتی تھی۔

"مجھے نہیں جانا۔" اس نے ماتھا اسامہ کے سینے سے لگاتے ہوئے خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کی۔

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" اسامہ نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے اپنے ساتھ کی یقین دہانی کروائی اور اس کا ہاتھ تھام کر نظامی کی طرف بڑھ گیا۔ نظامی نے ایک بار پھر ان کے ملے ہوئے ہاتھوں کو

ذومعنی انداز میں دیکھا۔اس نے اپنی بے کاری گیم کے دوران دینہ کی طرف اپنی پیٹھ کر کے، اپنا بازو پیچھے کر کے اسے اپنا ہاتھ پکڑنے کو کہا۔دینہ نے گھبرا کر اسامہ کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھ کے اشارے سے اسے جگہ بدلنے کو کہا اور نظامی کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔نظامی جب اس خوش فہمی میں گھوما کہ اس کا ہاتھ دینہ نے پکڑا ہوا ہے تو اس کی جگہ اسامہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھ کر اس کا بس نہیں چلا اسامہ کا ہاتھ ایسے جھٹکے کہ بازو سے ہی نکل جائے مگر اس نے ہنستے ہوئے گیم مکمل کی۔اسامہ نظامی کی غلیظ نظریں دینہ پر مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے دینہ کو چلنے کو کہا۔وہ پہلے ہی دینہ کو اس کی پارٹی میں لا کر پچھتا رہا تھا۔

وہ دونوں ابھی چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ انتہائی غیر متوقع طور پر نظامی نے آکر دینہ کا ہاتھ پکڑ کر ان دونوں کو مزید کچھ دیر رکنے کو کہا۔

"کچھ دیر اور رک جاتے۔ابھی تو شام جوان ہے۔" اس نے دینہ کو کھلم کھلا پیغام دیتی نظروں سے دیکھا۔

"رک جاتے۔" اسامہ نے انتہائی نرمی سے دینہ کے کندھوں کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے اسے نظامی سے دور اپنے بائیں جانب کر لیا۔"لیکن دیر بہت ہوگئی ہے اور دینہ کا آرام بہت اہم ہے میرے لیے۔خدا حافظ۔" اسامہ نے دینہ کے کندھوں کے گرد پھیلا بازو نظامی کی نظر سے اوجھل ہو جانے کے بعد ہی ہٹایا۔

باہر نکل کر انہیں گاڑی آنے تک انتظار کرنا پڑا۔اس دوران اسامہ مکمل خاموش رہا۔دینہ نے بھی کچھ نہیں کہا۔گاڑی آجانے پر اسامہ نے دینہ کے لیے دروازہ کھولا اور اس کے بیٹھ جانے کے بعد دروازہ بند کر کے وہ اپنی نشست پر آبیٹھا۔

"بلڈی باسٹرڈ۔" اسامہ کے اسٹیئرنگ ویل پر زور سے ہاتھ مار کے چیخنے تک دینہ اس کے غصے سے بالکل ہی ناواقف تھی۔اس کے اس قدر اچانک چیخنے پر وہ ڈر کر پیچھے ہٹی۔اسامہ کے غصے کا اندازہ اڑتی ہوئی گاڑی کی سپیڈ سے لگایا جا سکتا تھا۔

"گاڑی آہستہ چلاؤ پلیز۔" دینہ نے دھیمے سے انداز میں کہا تو اسامہ نے ریس پر سے پاؤں ہٹا لیا۔

"دل چاہ رہا ہے اس کا منہ توڑ دوں۔"

"کیوں نہیں توڑا پھر؟" دینہ نے کچھ سنبھل کر پوچھا۔وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر تحمل کے اس مظاہرے کی وجہ

کیا تھی۔

"اگر اس کا منہ توڑتا تو انگلیاں تم پر بھی اٹھتیں اور میں ایسی حرکت کیسے کر سکتا ہوں کہ تم پر انگلیاں اٹھیں۔"

دینہ نے اس کی بات سن کر غیر یقینی سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"آئم سوری مجھے تمہیں لے کر نہیں جانا چاہیے تھا۔ نظامی گھٹیا تو ہے مگر اس حد تک گر جائے گا اس بات کا اندازہ نہیں تھا مجھے۔ ساری غلطی میری ہے۔ آئم سوری۔" اسامہ کی باتیں سن کر وہ دینہ کو کسی اور ہی دنیا کا مرد لگا۔ کوئی الزام نہیں، کوئی شک نہیں۔ اس نے تو نہ دینہ کو موردِ الزام ٹھہرایا، نہ اسکی چال ڈھال کو، نہ اس کے لباس کو، نہ اس کے بات کے انداز کو اور نہ ہی اس بات کا طعنہ دیا کہ اس کے خبردار کرنے کے باوجود دینہ زبردستی اس کے ساتھ آئی تھی۔ بس سیدھا سیدھا کہہ دیا کہ غلطی ہی اس کی ہے۔ ساری ذمہ داری اپنے سر لے کے اسے بری الذمہ کر دیا۔ دینہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے جا رہی تھی اور بس یہی سوچ جا رہی تھی کیا مرد ایسے بھی ہوتے ہیں؟

"تمہاری عزت اہم نہ ہوتی تو دانت توڑ دیتا اس خبیث کے۔" اسامہ نے گاڑی ایک آئسکریم پارلر کے سامنے کھڑی کر کے کہا۔

"میری عزت؟" دینہ نے ایسے پوچھا جیسے وہ ان الفاظ سے مکمل طور پر نا آشنا ہو۔

"ہاں۔" اسامہ نے کچھ حیرت سے اس کی اڑی ہوئی رنگت دیکھی۔

"اگر میں تمہاری عزت ہوتی تب بھی تمہارے رویے میں فرق نہیں آتا۔"

"میری عزت بن کر کیا تمہاری اپنی کوئی عزت نہیں ہوتی؟ تم میری عزت سے منسلک ہو کر خود اپنی عزت کہیں چھوڑ آتی کیا؟"

"عورت تو مرد کی عزت ہوتی ہے۔"

"عورت کی اپنی کوئی عزت نہیں ہوتی کیا اور وہ مرد ہی کیا جو عورت کو عزت تو سمجھتا ہے مگر اس کی عزت نہیں کرتا۔ بس اسے اپنی عزت بنا کر اپنی ہی عزت کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔"

"لیکن اگر کوئی عورت پر انگلی اٹھائے تو مرد کی عزت ہی خراب ہوتی ہے ناں۔"

"غلط۔" اسامہ اس کی طرف مڑا۔ "عورت پر انگلی اٹھائی جائے تو عورت ہی کی عزت پر حرف آتا ہے۔ مرد کی صرف غیرت زخم کھاتی ہے۔"

"مرد کی غیرت تو بہت اہم ہوتی ہے۔"

"عورت کی عزت سے زیادہ؟" اسامہ کے سوال سے دینہ کے دل و دماغ میں ایک بھونچال سا آ گیا تھا۔ وہ ہمیشہ خود کو کسی نہ کسی کی عزت سے منسلک کرتے ہوئے یہ پہچان ہی نہ پائی کہ اس کی اپنی بھی ایک عزت ہے اور اس کی عزت بھی اتنی ہی اہم ہے۔

"یہ باتیں تمہیں تمہارے بابا نے سکھائی ہیں؟"

"ممی نے۔ میرے بابا کچھ سال پہلے گزر گئے تھے۔ میں نے ہمیشہ انہیں ممی کی عزت کرتے دیکھا ہے۔ مرد کو انسان بننا اور عزت کرنا سکھایا جاتا ہے اسے خود بخود یہ سب نہیں آ جاتا۔ میری ممی نے ہمیں سکھایا اور بابا نے کر کے دکھایا۔"

"بہت خوش قسمت ہو تم۔"

"ہاں وہ تو ہوں۔" اسامہ مسکرایا۔ "اب بتاؤ آئسکریم کون سی کھاؤ گی؟"

"آئسکریم؟" دینہ کو اندازہ ہی نہیں ہوا تھا کہ اس نے گاڑی آئسکریم پارلر کے باہر روکی ہوئی ہے۔

"ہاں یار۔ اتنے برے موڈ کے ساتھ گھر نہیں جا سکتا۔"

"اسامہ۔" اسامہ ویٹر کی توجہ کے لیے ہارن بجا رہا تھا۔ جب دینہ کی آواز پر اس کی طرف مڑا۔ "تھینک یو۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔"

"تم جیسی چڑیل بھی ڈرتی ہے کسی سے؟ اللہ کی شان ہے بھئی۔"

"بدتمیز۔" دینہ نے اسے بازو پر تھپڑ رسید کیا تو وہ ہنسنے لگا۔

☆......☆......☆

بارش انتہائی گرج برس کر ہو رہی تھی۔ دینہ کا کالج تقریباً خالی ہو چکا تھا مگر صفدر کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ دینہ نے پریشانی سے کالج سے نکلنے والی آخری لڑکیوں کے گروپ کو دیکھا اور پھر فکر مندی سے گھڑی کی

جانب دیکھا۔ اگر اسے گھر کے کسی بندے کا نمبر یاد ہوتا تو وہ آفس سے فون کر کے پوچھ لیتی۔ فون کالج میں لانے کی اجازت نہیں تھی اس لیے پریشانی کے عالم میں ٹکٹکی باندھے گیٹ کو دیکھے جا رہی تھی۔ چھٹی ہوئے پورے ڈھائی گھنٹے ہو گئے تھے اور بارش ایسے ہو رہی تھی کہ بس آج ہی ساری کی ساری برس جائے گی۔ کالے کالے بادلوں سے جب اندھیرا چھا گیا تو دینہ کے خوف میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس نے مزید دس منٹ انتظار کے بعد پیدل ہی گھر جانے کی ٹھانی اور بیگ لے کر کالج کے گیٹ سے نکل پڑی۔

فیکٹری کے ایک حصے میں آگ لگ جانے کے باعث صفدر کو فیکٹری سے نکلنے میں بہت دیر ہو چکی تھی۔ یہ گرجتی بارش تو اللہ کی طرف سے رحمت بن کر نازل ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے بڑے نقصان سے بچت ہو گئی تھی۔ صفدر نے گاڑی بھگاتے ہوئے فکر مندی سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ وہ پورے تین گھنٹے لیٹ تھا۔ گاڑی کالج کے گیٹ کے سامنے روک کر وہ تیزی سے گاڑی سے اترا لیکن اسے گیٹ پر گارڈ نے بتایا کہ دینہ کچھ دیر پہلے پیدل ہی نکل گئی ہے۔ اس برستی بارش میں سڑک پر بھیگتی، لوگوں کی نگاہوں میں آتی دینہ کے تصور سے ہی صفدر کا دماغ گھوم گیا۔ وہ سڑک پر نگاہ دوڑاتے ہوئے گاڑی چلا رہا تھا۔ جب اسے دور تیز بارش میں تیز تیز چلتی دینہ دکھائی دی۔ اس کے ساتھ ہی صفدر کی نگاہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے لڑکے پر پڑی تو اس کا دماغ کھول گیا۔ اس نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی۔ اسی لمحے اس لڑکے نے سامنے آ کر دینہ کا راستہ روکا۔ صفدر نے گاڑی اس تیزی سے ان کی طرف موڑی کہ اگر وہ لڑکا چھلانگ لگا کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو یقیناً اس کی گاڑی کے نیچے آ جاتا۔ دینہ بوکھلا کر زمین پر گر گئی۔ صفدر تیزی سے گاڑی سے اترا اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس لڑکے کی پٹائی شروع کر دی۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش تو کی مگر صفدر کے سامنے وہ سر تک نہیں اٹھا سکا۔ بازار میں لوگ جمع ہو گئے اور گالیاں دیتے اور مارتے ہوئے صفدر کو انہوں نے بامشکل قابو کیا۔

صفدر خود کو لوگوں سے چھڑوا کر دینہ کی طرف مڑا تو وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔

" گاڑی میں بیٹھو۔ " صفدر دینہ پر اسی طرح چیخا جیسے وہ اس لڑکے پر چیخ رہا تھا۔ دینہ تیزی سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

" کون تھا وہ؟ " صفدر گاڑی میں بیٹھتے ہی دھاڑا۔ دینہ جس کی جان پہلے ہی حلق میں اٹکی ہوئی تھی، اس کی

آواز کی شدت سے لرز کر رہ گئی۔

"می۔۔۔می۔۔۔میں نہیں جانتی۔"

"جب منع کیا تھا کہ کالج سے مت نکلنا تو کیوں نکلی تھی؟" صفدر نے ایک دم سے گاڑی روکی اور پوری طرح سے پیچھے کو مڑا۔ دینہ کی ڈر کے مارے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ صفدر کی آنکھوں میں جو خون اترا ہوا تھا اسے دیکھ کر وہ بے اختیار کانپنے اور رونے لگی۔

"آئم سوری۔" ٹوٹے الفاظ اس کے منہ سے نکلے۔ کوئی بھی غلطی نہ ہونے کے باوجود اس نے معافی اس لیے مانگی کیونکہ ڈر سے اس کی جان نکل رہی تھی۔

"بند تمہارا کالج۔ بے حیائی کے لیے تمہارا کالج میں داخلہ کرایا تھا کیا؟"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ آئم سوری۔" وہ روتے روتے بولی۔

"کالج سے نکل کر سرِعام لڑکوں کو لبھاتے ہوئے میری عزت نیلام کر رہی ہو اور کہہ رہی ہو کہ تم نے کچھ نہیں کیا؟ دل چاہ رہا ہے گولی مار دوں تمہیں۔" صفدر کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی اور غصہ تھا کہ بالکل ہی بے قابو ہو چکا تھا۔ دینہ سر جھکائے بس روئے چلی گئی۔

گھر پہنچ کر بھی صفدر کا غصہ کم نہ ہوا۔ گاڑی میں بیٹھی، روتی کانپتی دینہ کو اس نے ہاتھ سے اتنی زور سے پکڑا کہ اس کی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر اس کا گوشت چیر گئیں۔ خون ٹپ ٹپ اس سے بازو سے گرنے لگا لیکن صفدر نے پرواہ نہ کی۔ وہ اسے کھینچتا ہوا اندر لے گیا اور یہ سارا ہنگامہ پریشانی سے دیکھتی ہوئی چچی کی طرف دھکیل دیا۔

"کیا ہو گیا ہے بیٹا؟" انہوں نے کانپتی دینہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹا اور صفدر سے پوچھا۔

"پوچھیں اس سے کیوں نکلی کالج سے؟" صفدر دھاڑا تو دینہ چچی کے بازوؤں میں کچھ اور بھی سمٹ گئی۔

"اتنی دیر ہو گئی ہے بیٹا۔ پریشان ہو گئی ہو گی۔ کالج سے نکل آئی تو ایسی کیا قیامت آ گئی۔"

"جب میں نے منع کیا تھا تو پھر کیوں؟" صفدر کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔ دینہ چچی کے سینے میں منہ چھپائے بس روئے جا رہی تھی۔

"حالت دیکھو اس کی کیسے کانپ رہی ہے۔ بیٹھ جاؤ چپ کر کے۔" چچی صفدر کے بے جا غصے پر الجھیں۔

صفدر نے گہرا سانس بھر کر اپنے غصے کو قابو کرنے کی کوشش کی

"اور یہ کیا۔ خون کہاں سے آیا۔" چچی نے پریشانی سے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ صفدر ایک دم ان کی طرف مڑا۔ وہ اتنے غصے میں تھا کہ اسے دینہ کی حالت کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ خون کا سن کر وہ پریشان سا ہو کر دینہ کی طرف بڑھا۔

"دکھاؤ بیٹا۔" چچی نے دینہ سے کہا تاکہ دیکھ سکیں کہ خون کہاں سے بہہ رہا ہے۔ لیکن دینہ نے اپنا آپ کسی سیپی کی طرح چادر کے خول میں چھپا رکھا تھا۔

"مجھے کمرے میں جانے دیں چچی۔" اس نے سسکیوں کے درمیان چچی سے اجازت چاہی۔ اب جب غصہ تھوڑا تھما تو اس کی سسکیاں صفدر کے دل پر تیر کی طرح لگنے لگی تھیں۔

"نہیں بیٹی، مجھے دکھاؤ تو سہی کہ خون کہاں سے نکل رہا ہے۔" انہوں نے پیار سے کہا تو دینہ ہچکیاں اور سسکیاں لیتے ہوئے رونے لگی۔ چچی نے صفدر کو تیکھی نظروں سے دیکھا اور دینہ کے بھیگے ہوئے بدن کو اپنے ساتھ لگایا۔ وہ رونے کی زیادتی سے جھٹکے کھا رہی تھی۔ "بس میری بیٹی۔ یہ صفدر تو پاگل ہے خواہ مخواہ اس نے تم پر اتنا غصہ کیا۔ تمہاری تو کوئی بھی غلطی نہیں۔"

"مجھے کمرے میں جانا ہے۔" اس نے روتے روتے پھر سے التجا کی تو چچی نے اسے جانے دیا۔

اس کا لرزتا جسم دیکھ کر صفدر کو پچھتاوے نے گھیر لیا تھا۔ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ اس نے کس بری طرح سے اسے ڈانٹا ہے۔ اب جب احساس ہوا تو وہ کمرے میں جا چکی تھی۔

"امی، خون نکل رہا تھا اس کا اور آپ نے دیکھا ہی نہیں۔" دینہ کے جانے کے بعد وہ امی سے الجھا۔

"کچھ دیکھنے کے قابل چھوڑتے تو میں دیکھتی ناں۔ کالج سے نکلنا نہ ہوا موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلانا ہو گیا۔ اس طرح کا سلوک زیب دیتا ہے تمہیں؟"

"اچھا مجھے بعد میں باتیں سنانا پہلے اسے جا کر دیکھیں۔ کہیں خون زیادہ ہی نہ نکل رہا ہو۔"

"خود ہی جا کر دیکھو تم۔" چچی غصے سے اپنے کمرے میں جانے لگیں تو صفدر نے بازو پکڑ کر روک لیا۔

"جا کر دیکھیں اسے۔ خون بہہ رہا ہے اگر زخم گہرا ہے تو مجھے بتائیں میں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔"

"اب کیا ضرورت ہے اتنی ہمدردی دکھانے کی۔" چچی باتیں سناتی دینہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔دینہ کمرے میں ابھی تک رو رہی تھی۔ چچی نے اسے بہلا کر گیلے کپڑے بدلنے پر منایا اور اس کے بعد انہوں نے اس کے بازو پر پٹی کر دی۔

"دینہ کو بلائیں۔کالج کے لیے دیر ہو رہی ہے۔" صفدر نے ناشتے کی ٹیبل پر امی سے کہا۔

"بخار میں تپ رہی ہے۔نہیں جائے گی وہ کالج۔"

امی کی بات سن کر صفدر کا ہاتھ منہ میں نوالہ ڈالتے ڈالتے رک گیا۔

"لے کر آئیں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔"

"عالیان لے جائے گا تم جاؤ اپنا کام کرو۔" امی کی باتوں سے تو لگ رہا تھا کہ دینہ سے زیادہ وہ ناراض ہیں اس سے۔

"میں لے جاتا ہوں ناں امی۔" صفدر نے چبا کر کہا۔

"کہہ دیا ناں عالیان لے جائے گا۔" امی کا غصہ تو آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر۔میں اس کی طبیعت پوچھ کے آتا ہوں۔" صفدر ناشتہ چھوڑ کر اٹھا۔

"خبردار! تمہارے تو نام پر بھی کانپ رہی ہے۔تم جاؤ اپنی فیکٹری۔اسے میں خود ہی دیکھ لوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" صفدر غصے میں ناشتہ چھوڑ کر گھر سے نکل گیا۔گاڑی چلاتے ہوئے اسے دینہ کا کانپتا وجود یاد آیا تو دل بے چین سا ہو گیا۔پھر خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے خود سے کہا۔"ایسا بھی آخر کیا کہہ دیا تھا میں نے۔" اس نے ناگواری سے سر جھٹکا اور اپنا دھیان روڈ پر لگایا۔وقتی طور پر تو وہ اپنا دھیان بٹھانے میں کامیاب ہو گیا مگر دن بھر کسی نہ کسی صورت اس کا خیال آتا ہی رہا۔

"عالیان کیا نحوست پھیلائی ہوئی ہے تم نے۔" امی نے عالیان کے کمرے کی بدحالی دیکھ کر پہلے ناک منہ چڑھایا پھر اس کے کمرے کی صفائی کرنے لگیں۔عالیان نے ایک آنکھ کھول کر انہیں دیکھا اور کروٹ بدل لی۔

امی نے پردہ کھولا ہی تھا کہ وہ بلبلا کر اٹھ بیٹھا۔

"آپ کو کوئی احساس ہے کہ انسان کو نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"انسان ہی ہوناں کوئی الو تو نہیں ہو کہ رات بھر جاگو گے اور دن بھر سوؤ گے۔ اٹھ کر فیکٹری جاؤ۔ ابا کہہ گئے ہیں کہ آج فیکٹری نہ گئے ناں تو تمہاری گاڑی کی چابی لے لیں گے۔"

"گاڑی کی چابی لے لیں گے تو آپ کی چہیتی کو ڈاکٹر کے پاس گود میں اٹھا کر لے کر جاؤں گا۔"

"جب بولنا بکواس ہی کرنا۔ وہ بیچاری تو چپ چاپ صبح سے کمرے میں پڑی ہے۔ بخار میں تپ رہی ہے مگر مجال ہے کہ کسی کے کان پر جوں تک رینگے۔"

"جوں رینگنے سے اگر اسے افاقہ ہوتا ہے تو ڈال دیں میرے سر میں جوئیں مگر جان بخشی کریں میری اور میری چیزیں نہ چھیڑیں۔" عالیان کی نظر امی کے میز کی طرف بڑھتے ہاتھوں پر پڑی تو چھلانگ مار کے بستر سے اٹھا۔ امی نے اس کی تیز رفتاری پر اسے شک سے گھورا۔

"آپ جائیں باہر۔ میں فیکٹری جانے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ اگر دینہ کو لے کر جانا ہے تو بتائیں؟"

"میں کیا بتاؤں بیٹا، وہ تو بس یہی رٹ لگائے ہوئے ہے کہ گھر جانا ہے۔"

"تو بھیجیں اسے گھر۔ آپ نے کون سا اغوا کیا ہوا ہے کہ تاوان وصول کرنا ہے۔"

"بس تم کر لو اپنی بکواس۔" امی کی نظر چیزوں کے نیچے پڑے سگریٹ کے پیکٹ پر پڑی تو چونکیں۔ "یہ کیا ہے؟"

"کچھ نہیں ہے۔ آپ جائیں۔" عالیان نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر تسلی دیتے ہوئے کمرے سے نکال دیا اور دروازہ بند کر کے اس نے پہلے سگریٹ کا پیکٹ اور پھر اس کے برابر پڑی سفید پڑیا کو اٹھایا اور سنبھال کر جیب میں رکھ لیا۔

"دینہ کی طبیعت کیسی ہے؟" صفدر نے اندر داخل ہوتے ہی دینہ کی طبیعت دریافت کی۔

"اب بہتر ہے۔ بخار کم ہو گیا ہے۔" ذکیہ نے ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" صفدر ان کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ڈاکٹر کے پاس جانے کو تو وہ مانی ہی نہیں۔ عالیان فیکٹری آیا تھا کیا؟"

"ہاں، آپ زبردستی لے کر جاتی اسے۔" صفدر کو دینہ کی ڈھٹائی پر غصہ آیا۔

"اب بچی تو نہیں ہے کہ گود میں اٹھا کر لے جاتی۔تم جا کر بات کرو۔شاید تمہاری بات مان جائے۔نہیں مانتی تو رات میں فیاض سے کہوں گی۔"

"ابا سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں بات کر لیتا ہوں۔" صفدر اٹھ کھڑا ہوا۔

دینہ کے دروازے پر دستک دینے کے بعد جب اسے جواب موصول نہیں ہوا تو وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اور اپنے پیچھے اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔دینہ غنودگی کی سی حالت میں تھی۔صفدر کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں ابھرے۔صفدر نے اس کے بستر کے قریب کھڑے ہو کر اسے پکارا اور پاؤں کے بل اس کے بستر کے برابر بیٹھ گیا۔

"اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔"

صفدر کی آواز سے دینہ مکمل طور پر آنکھیں کھولتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔صفدر اٹھ کر اس کے بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔دینہ نے انگلیاں مڑورتے ہوئے جھکے سر کو نفی میں ہلایا۔

"ضد نہ کرو۔اٹھ جاؤ شاباش۔" صفدر نے پیار اسے بہلانا چاہا مگر دینہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

"دینہ۔" صفدر نے اس کا اپنے ہاتھ میں تھاما اور سختی سے اس کا نام پکارا تو آنسو پلکوں کی باڑ پار کرتے ہوئے گالوں پر بہنے لگے۔صفدر اس کے آنسو دیکھ کر سر نفی میں ہلایا۔

"اب ایسا بھی کیا کہہ دیا ہے کہ دو دن سے رو رہی ہو۔چلو رونا بند کرو آئندہ نہیں ڈانٹوں گا۔" وہ نرم آواز میں بولا اور اپنے ہاتھ میں تھاما اس کا ہاتھ اس نے نرمی سے دبایا۔دینہ نے نہ تو جھکا ہوا سر اٹھایا نہ ہی نظر۔

"تمہیں بھی تو خیال کرنا چاہیے تھا۔میں نے منع کیا تھا اکیلے نکلنے سے پھر بھی تم اتنی تیز بارش میں اس طرح سڑک پر اپنا تماشا بنانے نکل پڑی۔"

بارش کا وہ منظر یاد کر کے دینہ کے آنسوؤں میں اور بھی شدت آ گئی۔

"بس کرو یار۔کہا تو ہے آئندہ نہیں ڈانٹوں گا۔" صفدر اب اس کے رونے سے پریشان ہونے لگا تھا۔دینہ نے دھیمے سے اپنی بھیگی ہوئی پلکیں اٹھائیں تو صفدر کے دل کے آر پار ہو گئیں۔

"چلو۔میں تمہیں ڈاکٹر کے لے جاتا ہوں۔" صفدر نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔دینہ نے سر جھکا کر نفی

میں ہلایا تو صفدر اس کی ضد پر جھنجلایا۔ "اب اور کیا کہوں۔ وعدہ تو کر رہا ہوں آئندہ نہیں ڈانٹوں گا۔"

"مجھے ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا۔" دینہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں؟" صفدر نے اس کی بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔

"آپ نے کہا تھا کالج بند۔ مجھے زندہ نہیں رہنا۔" دینہ کے لہجے میں اتنی معصومیت تھی کہ صفدر بے اختیار ہنس پڑا۔

"اف اتنا ضروری ہے کالج؟"

دینہ نے اس کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھا۔

"چلی جانا کل سے کالج، میری جان۔" صفدر نے اس کا ہاتھ محبت سے ہلایا۔

"اوئے، کسی رانجھے دی اولاد۔ کچھ تو حیا کر۔" ذکیہ کی آواز اتنی غیر متوقع تھی کہ صفدر یک دم ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس کی نظر دروازے میں کھڑے عالیان پڑی تو اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے عالیان کو خونخوار انداز میں گھورا۔ وہ ایک لمحے میں سمجھ گیا کہ عالیان ہی ذکیہ کو لے کر آیا ہے ورنہ وہ جس خشوع و خضوع سے ڈرامہ دیکھ رہی تھیں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ خود سے آ جاتیں۔

"شرم لحاظ تو لگتا ہے یہ آم کے ڈبوں کے ساتھ بیچ آیا ہے۔ اوئے بے غیرتا، یہاں شادی شدہ مرد یہ حرکتیں نہیں کرتے ہیں جو تو کر رہا ہے۔ لعنت ہو تیری بے حیائی پر۔ دفع ہو جا یہاں سے۔"

"امی میں نے ایسا کر دیا ہے؟" صفدر اس قدر ٹھکائی پر بوکھلایا۔

"بس دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے۔ کل سے عالیان دینہ کو کالج سے لے کر آئے گا۔ تو فیکٹری اور اپنی ڈلتی ہوئی عاشقی سنبھال۔"

"امی!" صفدر کا باقی کا احتجاج حلق میں ہی رہ گیا۔ ذکیہ بیچ میں ہی بات کاٹ کر بولیں۔

"دفع ہو جا یہاں سے۔" صفدر کا بس نہیں چل رہا تھا عالیان کو کچا چبا جائے۔ اسے گھورتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا۔ جب تک دینہ چچی کی نظر کا نشانہ بنتی وہ چادر سر تک تان چکی تھی لیکن چادر کے اندر سر دیئے ہوئے اسے سمجھ نہیں آئی کہ اپنی ہنسی کیسے سنبھالے۔

دینہ کالج سے باہر نکلی تو عالیان کو کھڑے دیکھ کر اسے ایک بار پھر بے اختیار ہنسی آئی۔ وہ بامشکل ہنسی چھپاتے ہوئے گاڑی تک پہنچی۔ عالیان اسے دیکھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دینہ کے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا اور دل نے ایک بار پھر سے دہائی دی کہ آخر کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔

"گول گپے کھاؤ گی؟" عالیان نے دماغ کے احتجاج کے باوجود آفر کی۔

"ہائے سچی؟" دینہ نے پرجوش انداز میں غیر یقینی سے پوچھا۔ عالیان نے مسکرا کر گاڑی چلائی اور کچھ فاصلے پر گول گپے والے کے قریب روکی۔

"کیا کیا پسند ہے تمہیں؟"

"سب کچھ۔ املی، پاپڑ، چاٹ، پکوڑے بس سب کچھ اچھا لگتا ہے مجھے۔"

"ان میں سے پکا کیا لیتی ہو؟" عالیان اس کی جادوئی آواز کے سحر میں جکڑا جا رہا تھا۔

"مجھے تو کچھ بھی پکانا نہیں آتا۔ ابا نے کہا ہے کہ بالکل باورچی خانے میں نہ جاؤں۔"

"اچھا؟" عالیان سیٹ پر ایسے ترچھا ہوا کہ وہ نظر کے سامنے رہے۔ "پھر سارا دن بور نہیں ہوتی ہو؟"

"نہیں تو۔ میں پڑھتی رہتی ہوں۔ میرے پاس بہت سی کتابیں ہیں۔ آپ کو پتا ہے مجھے رائٹر بننا ہے اس لیے میں بہت زیادہ پڑھتی ہوں۔ میری میم کہتی ہیں بندے کو تب اچھا لکھنا آتا ہے جب وہ بہت سا پڑھتا ہے۔ میں ناں امریکہ جاؤں گی پڑھنے۔"

"اتنے بڑے بڑے خواب دیکھتی ہو؟" عالیان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"خواب تو بڑے ہی ہوتے ہیں۔ پتا نہیں میرا پورا ہوگا بھی کہ نہیں؟" دینہ اداس ہوئی۔

"ہاں اس کا نہیں پتا کہ کوئی تمہیں رائٹر بننے دے گا کہ نہیں۔"

"نہیں نہیں۔" دینہ پرجوش انداز میں آگے کو ہوئی۔ "میرا مطلب ہے اگر پڑھنے والوں کو میری کتابیں اچھی نہ لگیں تو؟"

"تو میں خرید لوں گا تمہاری ساری کتابیں۔"

"ہائے سچی۔" دینہ نے اپنے ہاتھ آپس میں جوڑے۔ "پڑھیں گے بھی کیا؟"

"ہاں۔"

"اور چچی بتائیں گے کہ میں نے اچھا لکھا ہے کہ نہیں؟"

"ہاں۔" عالیان مسکرایا۔اس کی ہر ادا دل میں اتر جانے والی تھی۔اس کی بے تکلفی، اس کی ہنسی، اس کی آنکھیں، اس کی باتیں سب کچھ تو دل کو گھائل کر دینے والا تھا۔کوئی اتنی خوبصورتی اور اتنی معصومیت کے سامنے کیسے دل سنبھالے رہ سکتا تھا۔عالیان کھڑکی پر ہونے والی دستک سے چونکا۔اس نے گول گپوں کی پلیٹ دینہ کو پکڑائی اور پوچھا۔" تمہیں چوڑیاں اچھی لگتی ہیں؟"

"ہاں چوڑیاں کسے اچھی نہیں لگتیں۔"

" کل لے کر دوں گا۔"

دینہ نے کھلے دروازے پر ہوتی ہوئی دستک سن کر سر اٹھا کر دیکھا تو عالیان کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر اس نے جلدی سے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھایا اور تیزی سے اوڑھ کر کھڑی ہوگئی۔عالیان کمرے میں داخل ہوگیا۔

" تمہارے لیے چوڑیاں لایا تھا۔" اس نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔دینہ نے لفافہ ہاتھ میں پکڑ کر اندر جھانکا تو حیرت سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

" یہ تو بہت ساری ہیں۔"

" میں نے ایک رنگ کی لی تو سمجھ نہیں آئی کہ تمہیں پسند آئے گی کہ نہیں تو میں نے سب رنگوں کی خرید لیں۔" عالیان مسکرایا۔

" آپ کوئی بھی لے آتے مجھے اچھی لگتیں۔محبت سے لائی ہر چیز ہی اچھی لگتی ہے۔" دینہ مسکراتے ہوئے مڑ گئی۔عالیان سکتے کی سی حالت میں اس کی کمر کو دیکھتا رہ گیا۔دینہ نے چوڑیاں اپنی کلائی میں پہنیں اور انہیں چھنکاتے ہوئے عالیان کو دکھائیں۔

" اچھی ہیں ناں؟" وہ مسکراتے ہوئے اپنی چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی اور عالیان کی نظر اس کے وجود کا طواف کر رہی تھی۔دماغ میں ایک بھونچال سا آیا ہوا تھا اور دل تھا کہ ساری حدیں پار کر کے اپنے ہونے کا ایسے احساس دلا رہا تھا گویا آج سے پہلے کبھی دھڑکا ہی نہ ہو۔

"بہت اچھی۔" عالیان نے اس کے چہرے کو اپنی نظروں کے حصار میں لے کر کہا۔ اس کے اردگرد دنیا یکدم ہی ساکت ہوگئی تھی۔ دینہ کے علاوہ نہ تو کوئی دکھائی دے رہا تھا نہ سنائی۔ وہ اچانک ہی دنیا میں سب سے اہم ہوگئی تھی۔

ناشتے کی میز پر دینہ کی چھنکتی چوڑیاں دیکھ ذکیہ نے شکی سے انداز میں پوچھا کہ چوڑیاں کہاں سے آئی ہیں۔

"رات عالیان بھائی لے کر آئے تھے۔" دینہ نے نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے عالیان کو اچھو لگ گیا۔ ذکیہ نے تو جو عالیان کو گھورا سو گھورا۔ صفدر کے چہرے سے ہوائیاں ہی اڑ گئیں۔

"ہاں کل دینہ کہہ رہی تھی کہ اس کی چوڑیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ میں رات کو اتفاقاً بازار میں تھا۔ چوڑیاں دیکھیں تو لیتا آیا۔" عالیان نے صفدر سے نظریں چراتے ہوئے وضاحت کی۔

"اور پتا ہے چچی اتنی ساری ہیں کہ ہر روز بھی نئی پہنوں تو ہفتہ بھر ختم نہ ہوں۔" دینہ خوشی سے بولی۔ کھانے کی میز پر عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

"چلو، تمہیں کالج چھوڑ دوں۔" عالیان سب کی نظروں سے گھبرا کر اٹھا۔ ابھی دینہ کنفیوز سا اٹھی ہی تھی کہ صفدر کی آواز پر پھر بیٹھ گئی۔

"میں خود چھوڑ دونگا۔"

ذکیہ شاید اعتراض اٹھاتی اگر انہوں نے صفدر کی کنپٹی کی پھولی ہوئی رگیں نہ دیکھ لی ہوتیں۔ فیاض نے ناگواری سے نوالہ اپنے منہ میں ڈالا اور عالیان کو وہاں سے جانے کو کہا۔ دینہ کو ماحول میں غیر معمولی سی کشیدگی محسوس ہوئی لیکن عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے اپنا پورا دھیان ناشتے پر لگا دیا۔

"عالیان تمہارے لیے چوڑیاں کیوں لایا تھا۔" گاڑی حویلی سے باہر نکلتے ہی صفدر نے پوچھا۔ جس تحمل کا وہ مظاہرہ کر رہا تھا وہ تحمل محسوس کرنے سے قاصر تھا۔

"مجھے کیا پتا۔" دینہ نے گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"اسے تم نے بتایا تھا کہ تمہاری چوڑیاں ٹوٹی ہیں؟"

"ہاں وہ پوچھ رہے تھے کہ بازو پر کیا ہوا ہے میں نے بتا دیا کہ چوڑیاں ٹوٹ کر لگی ہیں۔ مجھے چوڑیاں بہت

اچھی لگتی ہیں۔آپ نے تو کبھی لاکر بھی نہیں دیں۔" دینہ نے منہ پھلایا۔

"تم نے کبھی کہا ہی نہیں۔" صفدر نے اسے محبت سے دیکھا۔

"ہاں میں نے تو عالیان بھائی سے بھی نہیں کہا تھا وہ بھی تو خود ہی لائے ہیں ناں، آپ بھی لے آتے۔"

"میں نے جو ہیرے کی انگوٹھی لے کر دی ہے وہ۔"

"ارے ہاں۔ چچی کہہ رہی تھیں انگوٹھی مجھے دے دو میں سنار کو دکھاتی ہوں یہ اصلی لگ رہی ہے۔"

"پھر؟" صفدر فکر مند ہوا۔

"پھر کیا ان کا ڈرامہ لگ گیا تو وہ انگوٹھی بھول بھال گئیں۔" دینہ ہنسی تو صفدر بھی مسکرا پڑا لیکن دماغ میں جو بھونچال آیا ہوا تھا وہ سنبھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"دینہ۔" کالج کے سامنے گاڑی رکی تو دینہ صفدر کی پکار پر اترتے اترتے رک گئی۔ صفدر پچھلی سیٹ کی طرف مڑا اور اسے سوالیہ انداز میں اپنے طرف دیکھتے پایا۔ "تم عالیان سے آئندہ تھوڑا دور رہنا۔"

"اب یہ کیا بات ہوئی؟"

"تم بہت معصوم ہو۔بس تھوڑی احتیاط کیا کرو۔" صفدر کے انداز میں عجیب سی بے چینی تھی۔ دینہ سر ہلاتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی۔مگر اسے اس نئے حکم کی شان نزول سمجھ نہیں آئی۔

رات کھانے کے بعد جب وہ کمرے میں آئی تو فون پر عالیان کا جگمگاتا نام دیکھ کر کچھ حیران سا ہو کر اس نے فون کان سے لگایا

"چھت پر آؤ۔"☆

عالیان کی اس انوکھی فرمائش پر وہ کچھ گھبرائی، کچھ پریشان ہوئی لیکن بالآخر تجسس نے اسے ایسا آلیا کہ وہ دوپٹہ اوڑھتے ہوئے چھت پر چلی گئی۔ اپنے دونوں ہاتھ فصیل پر رکھے، عالیان آگے کو جھکا لان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دینہ کی آواز پر وہ پلٹا اور مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا حصار کر لیا۔ دینہ کی سوالیہ نظروں کے جواب میں عالیان نے فصیل پر رکھے گول گپوں کی طرف اشارہ کیا۔ دینہ پر جوش انداز میں آگے بڑھی اور بنا مزید کسی دعوت کے گول گپے کھانے لگی۔ وہ گول گپے کھاتی رہی اور عالیان چاندنی اس کے چہرے پر بکھرتی دیکھتا رہا۔ ان

دونوں کے درمیان کوئی بھی بات نہیں ہوئی۔ بس عالیان اپنے دل کو ہی سنبھالتا رہ گیا۔ دینہ اسے شکریہ کہہ کر پلٹی تو عالیان کی آواز پر رک گئی۔

"کسی سے کہنا مت ورنہ میری مفت کی شامت آجائے گی۔"

عالیان کی بات پر اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

مسلسل تیسری رات جب صفدر نے دینہ کو چھت پر جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے چلا گیا۔ عالیان بنا گھبرائے پانی کی ٹینکی کے پیچھے چھپ گیا۔ دینہ اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے صفدر کے سوالوں کا تسلی بخش جواب دیتی رہی۔ صفدر اسے نیچے لے گیا اور جاتے جاتے چھت کا دروازہ اندر سے بند کر گیا۔ عالیان بند دروازہ دیکھ کر کافی دیر تو اس امید میں بیٹھا رہا کہ شاید دینہ آکر کھول دے مگر جب وقت زیادہ بیت گیا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے اب اپنے زور بازو پر ہی نیچے اترنا پڑے گا۔

اگلے دن جب عالیان نے دینہ کو جھاڑنے کے انداز میں بتایا کہ وہ کس مشکل سے نیچے اترا ہے تو وہ اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکی اور کھلکھلانے لگی۔ عالیان نے اسے اس طرح کھلکھلاتے دیکھا تو اس کی کل کائنات ساکت ہو گئی۔ وہ اس کی ہنسی میں ایسا کھویا کہ چند لمحوں کے لیے بھول ہی گیا کہ جسے دل میں اس نے اتنے اونچے مقام پر بٹھالیا ہے وہ اس کی ہونے والی بھابھی ہے، اس کے بھائی کی ہونے والی بیوی۔ یہ تصور بھی وہ دل میں نہیں لانا چاہتا تھا مگر دماغ سر میں ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ چیخ چیخ کر اس سے پوچھ رہا تھا کہ اپنے سگے بھائی کی عزت پر وہ کیسے نقب لگا سکتا ہے۔ وہ دینہ کا چہرہ آنکھوں میں بھرتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

رات کے آخری پہر گھپ اندھیرے میں عالیان کے نشہ آور دماغ میں دینہ کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر اس کا عکس اپنے دماغ سے نکالنے کی کوشش کی مگر دل کسی ضدی بچے کی طرح ماننے کو تیار نہیں تھا۔ دماغ اس لمحے نشے کے اثر میں کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی قابلیت کھو چکا تھا لیکن اس کے باوجود دماغ کے کسی حصے میں یہ آواز گونج رہی تھی کہ وہ عزت ہے اس کے بھائی کی مگر دل پر عشق کا بھوت ایسے سوار تھا کہ اس کا ہنستا چہرہ جنت محسوس ہو رہا تھا۔

"وہ چاہیے مجھے۔" عالیان نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں گرایا۔ "مجھے دینہ چاہیے۔" وہ بے چینی سے اٹھ

کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتے قدموں سے بیڈ تک پہنچا۔ بیڈ پر دینہ کو بیٹھے دوپٹہ ٹھیک کرتے دیکھ کر اس نے آنکھیں حیرت سے کھولیں۔ پھر یکدم اس کے غائب ہو جانے پر وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بیڈ پر گر گیا۔

☆......☆......☆

اپنے کمرے میں بیٹھی بھابھی کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر دینہ سمجھ گئی کہ بڑے ڈاکٹر نے کوئی اچھی خبر نہیں دی۔ دینہ نے نرمی سے انہیں گلے لگایا تو سفینہ کو ایسے لگا جیسے اللہ نے ان کی دعائیں سن کر انہیں کوئی سہارا دے دیا ہو۔ خاموشی سے کتنے ہی پل گزر گئے اور یہ خاموش ساتھ مضبوط ہوتا چلا گیا۔

دینہ کو دستک دے کر رکنا چاہیے تھا۔ اجازت لینی چاہیے تھی مگر وہ کسی آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ سکندر بیڈ پر چادر اوڑھے گہری نیند سو رہے تھے اور سفینہ کمرے کے کونے میں رکھے صوفے پر لیٹی ہوئی تھی۔ سفینہ نے کمرے کے دروازے میں بت بنی کھڑی دینہ کو دیکھا تو ایسے اٹھ کر بیٹھی جیسے ان کی چوری پکڑی گئی ہو۔ دینہ الٹے قدموں پیچھے ہٹی اور دھیرے سے دروازہ بند کر اس نے سینے میں رکی ہوئی سانس خارج کی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد سفینہ نے اپنی دکھتی ہوئی آنکھیں ملیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح چادر تہہ کی، صوفے کی حالت درست کی، تکیہ سوتے ہوئے سکندر کے برابر بستر پر رکھا، صبر کی چادر میں خود کو لپیٹتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس شام جب دینہ نے انہیں گلے سے لگایا تو ان کے آنسو خود بخود آنکھوں کی سرحدیں پار کرتے ہوئے اس کا کندھا بھگوتے رہے۔ نہ انہوں نے کچھ کہا، نہ دینہ نے کچھ پوچھا۔ اس شام دینہ کو پہلی دفعہ یہ احساس ہوا خاموشی خود اپنے اندر کتنے الفاظ سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ بنا کچھ کہے درد ایسے رشتے میں باندھ دیتا ہے جہاں الفاظ کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ جہاں الفاظ کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں وہاں سے درد کے رشتے شروع ہوتے ہیں اور درد سے جڑے رشتے میں انسان تنکے جیسے سہارے کو خزانے کی طرح سمیٹ لیتے ہیں اور صبر کی چادر اوڑھے ہوئے زندگی کی سخت دھوپ میں چلتے رہتے ہیں۔ اور اگر یہ سائباں ان سے چھن جائے تو خالی آنکھوں اور خالی ہاتھوں کے ساتھ دل میں انگڑائیاں لیتے درد کو سہتے سہتے ٹوٹ جاتے ہیں، کرچی کرچی بکھرتے ہیں اور پھر کوئی بھی انہیں سمیٹ نہیں سکتا۔ ان کا درد اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرتے ہوئے دینہ نے تہیہ کیا کہ وہ سفینہ

بھابھی کو بکھرنے نہیں دے گی۔

☆......☆......☆

وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا گیا۔ صفدر ہر رات اسے فون کرنا نہیں بھولتا تھا اور عالیان کسی نہ کسی بہانے اس سے ملنے آتا رہا۔ عالیان سے دوستی بے تکلفی میں بدل گئی۔ وہ اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کی اتنی پرواہ کرتا تھا کہ کبھی کبھی دینہ خود بھی حیران ہو جاتی۔ کبھی کبھی پریشان ہو کر سوچتی کہ آخر عالیان ایسا کیوں کر رہا ہے۔ ایک دن بھابھی نے اسے اتنا زیادہ دینہ کے اردگرد منڈلانے پر آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ خوبصورتی سے سفینہ کو ٹال گیا۔ اب تک تو اس کے دوست بھی اس کے جنون سے واقف ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی ہر ممکن کوشش کر لی کہ اسے سمجھا سکیں مگر اسے دنیا میں دینہ کے علاوہ نہ تو کوئی دکھائی دیتا تھا نہ سنائی۔

"چند دنوں میں جب تیرے بھائی کی شادی ہو جائے گی تو پھر کیا کرے گا۔ بھابھی ہے وہ تیری۔" اس کا دوست قاسم اس پر چیخا۔ وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا۔

"بھابھی نہیں ہے وہ میری۔" عالیان نے شراب کی بوتل منہ سے لگائی۔

"نہیں ہے تو بن جائے گی۔"

"نہیں۔" عالیان دھاڑا۔ اپنے دوست کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خبردار کیا۔ "ایسا نہیں ہونے دوں گا میں۔"

"ہوش کر عالی۔ ایسا قسمت میں لکھا جا چکا ہے وہ صفدر بھائی کی بچپن کی منگ ہے۔"

"ایسی قسمت کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دوں گا جو اسے مجھ سے دور کر دے۔"

"اپنے بھائی کو کیا جواب دے گا۔" قاسم نے اس کا چہرہ پکڑا۔

"میں نہیں جانتا۔" اس نے اپنا چہرہ اس کے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کرایا۔ "میں بس اتنا جانتا ہوں وہ میرے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔"

"بکواس بند کر عالی اور یہ پینا تو بند کر۔ دماغ کو چڑھ گئی ہے تمہارے" قاسم نے اس کے ہاتھ سے بوتل چھینی

"بھگا کر لے جاؤں گا اسے۔"

"نہیں بھاگے گی وہ تیرے ساتھ۔"

قاسم کے چیخنے پر عالیان اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے غصے سے گھورتا ہوا بولا۔"نہیں بھاگے گی تو اٹھا کر لے جاؤں گا لیکن اس کی شادی نہیں ہونے دونگا۔"

"میں تیرے ابا سے بات کرتا ہوں۔" قاسم کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ عالیان نے اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"جس سے بات کرونگا میں خود کرونگا۔ اگر تم نے کچھ بھی کیا تو گولی ماردونگا" قاسم نے اس کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑوایا اور خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"تجھ جیسے بے غیرت سے اور امید بھی کیا کی جاسکتی ہے۔" یہ کہہ کر قاسم رکا نہیں۔ ڈیرے سے نکلتی اس کی پراڈو کی سپیڈ سے اس کے غصے کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"ابا! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" اگلی شام عالیان خبریں سنتے فیاض سے مخاطب ہوا۔

"بیٹھ جاؤ، میں خبریں سن لوں ذرا۔" فیاض نے ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ عالیان بے چینی سے کھڑا رہا۔ فیاض نے اس کی بے چینی دیکھی تو کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ وہ جب بھی اس طرح بات کرنے آتا تھا کوئی نہ کوئی مصیبت ہی لاتا تھا۔ فیاض اپنے بیٹے کے تمام کرتوتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔

"میں نے کہا ناں بیٹھ جاؤ۔" ان کی سخت آواز کا عالیان پر ذرا برابر بھی اثر نہیں ہوا۔ فیاض نے ٹی وی بند کردیا اور مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے ناگواری سے پوچھا۔

"شادی کرنی ہے میں نے۔" اس نے بنا تمہید باندھے کہا۔

"ہوں۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔"ٹھیک ہے۔ صفدر کی شادی تک ہر روز فیکٹری جاؤ۔ باغات کا کام دیکھو، زمینوں پر چکر لگاؤ، پھر دیکھتا ہوں۔"

"اتنا انتظار نہیں کرسکتا میں۔"

"کیوں، لڑکی بھاگی جارہی ہے کہیں؟" انہوں نے اسے رد کرنے کے انداز سے کہا اور ٹی وی کا ریموٹ

اٹھالیا۔

"ایسا ہی سمجھ لیں۔" بے چینی اس کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی تھی۔

" کیا بکواس کر رہے ہو۔" فیاض نے اسے جھاڑنے کا فیصلہ کچھ سوچ کر ملتوی کر دیا اور ریموٹ ٹی وی کی طرف کر کے آن کا بٹن دبایا۔ "صفدر کی شادی کے بعد بات کریں گے۔"

"صفدر بھائی کی شادی نہیں ہوسکتی۔" عالیان کی بات سن کے فیاض کا ہاتھ ریموٹ پر ہی جم گیا۔

" کیا بک رہے ہو؟" وہ رعب دار آواز میں بولے۔

" مجھے دینہ سے شادی کرنی ہے۔"

عالیان کی بات سن کر فیاض ایک لمحے کے لیے سکتے میں آ گئے اور پھر ان کا خون ایسا کھولا کہ جب وہ عالیان کے سامنے کھڑے ہوئے تو اس قدر زناٹے دار تھپڑ عالیان کے منہ پر مارا کہ اسے دن میں تارے نظر آنے لگے۔

" بھائی کی عزت پر ہاتھ ڈالے گا بے غیرت۔" انہوں نے اسے گریبان سے پکڑ کر خوب مارا۔ وہ بنا احتجاج کئے مار کھاتا رہا۔ جب وہ مار مار کر تھک گئے تو انہوں نے اسے اپنی نظروں کے سامنے سے دور ہونے کا کہا۔ عالیان باپ کی آنکھوں میں گھورتا ہوا چلا گیا لیکن اس کی نظر میں جو عزم تھا وہ انہیں جھنجوڑ کر رکھ گیا۔ وہ اپنی اولاد کی نظر کو خوب پہچانتے تھے۔ اگر اس کی نظر میں غصہ ہوتا تو شاید وہ اتنا نہ گھبراتے مگر اس نظر میں جو عزم تھا وہ بنا بولے بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

فیاض رات گئے کمرے میں آئے لیکن بستر پر بیٹھ نہیں سکے۔ اپنی کمر پر ہاتھ باندھے وہ کمرے میں بے چینی سے ٹہلتے رہے۔ ذکیہ ان کی چہل قدمی کو محتاط طریقے سے دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جس مسئلے میں وہ الجھے ہیں وہ یقیناً بہت گمبھیر ہے اس لیے وہ خاموشی سے انتظار کر رہی تھی کہ کب وہ چپ کا روزہ توڑیں کب انہیں بھی معلوم ہو کہ آخر ماجرا کیا ہے۔

" کل ولی بھائی کے گھر جائیں گے۔"

" کیوں؟" ذکیہ نے انہیں شکی سے انداز میں گھورا۔ انہوں نے فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ چند لمحے گزر جانے کے بعد وہ کمرے کے بیچوں بیچ رک گئے۔

"اگلے ہفتے کی تاریخ لینے۔" انہوں نے گہرا سانس بھرا۔ "اگلے ہفتے ہی صفدر کی شادی ہو جانی چاہیے۔"

"ایسا کیا بھونچال پڑ گیا ہے۔ ایک ہفتے میں کبھی شادی کی تیاری ہوئی ہے۔ کم سے کم ایک مہینہ تو چاہیے مجھے۔"

"نہیں۔" انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔ "اتنا وقت نہیں۔"

"لیکن۔۔۔" ابھی ذکیہ کی بات منہ ہی تھی کہ فیاض بے چینی سے چیخے۔

"بس کہہ دیا ناں تو بحث مت کرو۔"

ذکیہ ایک دم چپ ہو گئی۔

اگلے دن وہ مٹھائی کے ڈبے اور جوڑے اور بہت سے ساز و سامان کے ساتھ جب بھائی کے گھر پہنچے تو گھر والے اس تیاری پر حیران ہو گئے۔ چائے کے بعد ذکیہ نے تاریخ کی بات چھیڑی تو حسب توقع انہوں نے دینہ کا بی اے ہو جانے کی مہلت مانگی۔ جب ذکیہ اور فیاض نے بہت زور دیا تو انہوں نے کم سے کم ایک مہینہ مانگا۔

"نہیں بھائی، آپ بس اگلے ہفتے کی کوئی بھی تاریخ دیں۔"

"فیاض! تم ہاتھ پر سرسوں جمانے کی بات کر رہے ہو۔ بیٹی والے ہیں ہزار تیاریاں ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں بھائی مگر آپ بھی نزاکت کو سمجھیں اور بس اگلے ہفتے ہماری بیٹی ہمارے حوالے کر دیں۔ صرف عزت کے ساتھ بیٹی کو رخصت کرا کر لے جانا چاہتا ہوں اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔"

ولی تو بات کی نزاکت تک نہ پہنچ سکے مگر سکندر جو خاموشی سے چچا کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں قدر کرتا ہوں تمہارے اس احساس کی مگر۔۔۔"

"ٹھیک ہے چچا، اگلے جمعے کو نکاح اور ہفتے کو رخصتی مناسب ہے۔" سکندر اس قدر اچانک بولے کہ گھر کے ہر فرد نے انہیں حیرت سے دیکھا۔ لاؤنج میں داخل ہوتی دینہ کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے کانپ کر فرش پر آ گری۔ وہ غیر یقینی کی سی حالت میں اپنے بھائی کو دیکھے گئی۔

"اسے اندر لے کر جاؤ۔" انہوں نے سخت آواز میں سفینہ سے کہا تو سفینہ فوراً ہی اٹھ گئی۔

"میں سارے انتظامات سنبھال لوں گا ابا۔" انہوں نے ولی کو یقین دہانی کروائی۔ اب جب فیصلہ ہو ہی گیا تھا تو سب نے ایک دوسرے کو مٹھائی کھلائی اور مبارک باد دی۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" دینہ اپنے کمرے میں رو رو کر ہلکان ہو گئی تھی۔ سفینہ اسے سنبھالنے میں ناکام ہو گئی تھی۔ امی نے بھی آ کر اسے سمجھایا مگر اس کا رونا بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بس ایک ہی رٹ تھی شادی نہیں کرونگی۔

"میں بات کرونگی ناں۔ وہ جانے دیں گے تمہیں کالج۔" امی نے روتی ہوئی دینہ کو گلے سے لگایا۔

"وہ نہیں جانے دیں گے۔" وہ اور بھی زور سے رونے لگی۔

"بس دینہ اب رونا بند کرو۔ یہ تو منحوسیت ہے۔ اب دیکھو ہم نے کہا تھا انہیں کہ تمہارے بی اے کے بعد شادی رکھ لیتے ہیں۔ وہ ہی نہیں مانے۔"

"آپ شادی سے ہی انکار کر دیتی ناں۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" کمرے کے کھلے دروازے سے سکندر کی اتنی اونچی آواز آئی کہ دینہ تو کیا ہی ڈری امی اور سفینہ بھی چونک گئیں۔

"کچھ نہیں کہہ رہی۔ بہن ایک ہفتے میں رخصت ہو جائے گی۔ ڈانٹنا مت۔" آسیہ فوراً ہی سکندر کو بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئی۔ سفینہ نے کچھ بے بسی سے دینہ کے آنسوؤں کو دیکھا۔ اسے دلاسہ دے کر وہ بھی نکل گئی۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔

دینہ تکیے میں سر دیئے رو رہی تھی جب صفدر کا فون آیا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی اٹھا لیا۔ رو رو کر اس کی آواز بھاری ہو چکی تھی۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔" دینہ نے چھوٹتے ہی روتے ہوئے کہا تو صفدر نے پریشانی سے فون کو دیکھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ رو کیوں رہی ہو؟" اس کا رومینٹک موڈ غارت ہو گیا تھا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" دینہ نے زور زور سے روتے ہوئے کہا تو صفدر بھونچکا رہ گیا۔

"لیکن کیوں؟"

"آپ مجھے کالج نہیں جانے دیں گے۔ میں مر جاؤں گی بتا رہی ہوں آپ کو۔"

دینہ کی بات سے صفدر کے کندھوں پر سے یکدم بھاری بوجھ ہٹ گیا۔ وہ تو گھبرا ہی گیا تھا کہ آخر اسے ہو کیا گیا ہے۔ اس کے کالج جانے کے جنون سے تو وہ اچھی طرح سے واقف تھا۔

"میری جان رو تو مت۔ وعدہ کرتا ہوں تمہیں کوئی بھی کالج جانے سے نہیں روکے گا۔ میں خود لے کر جایا کروں گا۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ نے پہلے بھی تو وعدہ کیا تھا کہ بی اے ہونے تک شادی کی بات نہیں کریں گے۔ آپ مکر گئے اپنے وعدے سے۔ شادی کے بعد بھی مکر جائیں گے۔" اس کے رونے میں اور بھی شدت آ گئی۔

"قسم لے لو یار مجھے تو پتا بھی نہیں تھا۔ میں تو ابھی اسلام آباد سے آیا ہوں۔ میرے دوست کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں کل سے اسلام آباد میں تھا یار۔ مجھے پتا ہوتا تو میں روکتا ابا کو۔"

"جھوٹ۔" وہ کسی صورت یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

"سچ کہہ رہا ہوں میری جان۔ یقین کرو میرا۔"

آپ مجھے کالج جانے دیں گے؟" دینہ کو روتے روتے سسکیاں لگ گئی تھیں اور صفدر کا بس نہیں چل رہا تھا اسے کس طرح سے یقین دہانی کرائے۔

"تم روتی ہو تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تمہیں خوش رکھنے کے لیے اپنی جان بھی دینی پڑ جائے تو ایک لمحہ نہیں سوچوں گا۔ یقین کرو میرا میری جان۔" صفدر کو اس کی خاموشی سے لگا کہ وہ رونا بند کر دے گی۔ مگر چپ ہوتے ہوتے وہ ایک دم بھر سے زور سے رو پڑی۔ روتے روتے اس نے فون بند کر دیا۔ ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ فون دوبارہ بجا۔ دینہ نے فون کان سے لگایا اور روتے روتے بولی۔

"آپ یہ شادی رکوا دیں۔ مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔ پلیز یہ شادی رکوا دیں۔" اس نے روتے روتے فون بند کر دیا اور تکیے میں سر دے کر روتی رہی۔

فون کی دوسری طرف عالیان اپنا سانس روکے بہت دیر تک فون کو دیکھتا رہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس

کی طرح دینہ بھی یہ شادی رکوانا چاہتی ہے۔

صفدر نے بڑی مشکل سے دینہ کی ایک دوست کی منتیں ترلے کر کے اس سے ملاقات کا انتظام کرایا تھا۔

دینہ نے اسے دیکھتے ہی منہ پھلا لیا۔اس کی دوست ان سے دور درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔

"یار، اب بس بھی کرو۔" صفدر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "اتنا پریشان کر چکی ہو۔شادی کی بھی خوشی محسوس نہیں ہو رہی ہے۔" صفدر نے اس کے پھولے منہ کو دیکھ کر کہا۔

" کوئی کرتا ہے ایسے۔آپ نے وعدہ کیا تھا مگر آپ نے اپنا وعدہ توڑ دیا۔"

"اس فیصلے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔"

"اگر آپ کا ہاتھ ہوتا تو روک دیتے کیا؟" دینہ نے اسے آنکھیں سکوڑ کر گھورا۔

"اب محبت کرنے پر جان لو گی کیا؟" صفدر ہنسا۔دینہ نے اپنا ہاتھ چھڑوا کر منہ موڑ لیا۔

"اچھا پکا والا وعدہ ہو گیا۔تم بی اے بھی کرنا اور ایم اے بھی۔میں خود تمہارا داخلہ کراؤں گا۔"

"واقعی؟" دینہ کی نظروں میں شک ہی شک تھا۔

"میری طرف دیکھ کے بتاؤ جھوٹا لگتا ہوں کیا تمہیں؟"

دینہ نے اس کی طرف دیکھا تو سہی مگر یہ کیسی نظر تھی جو اس دل کے جذبات کو ایسے بیدار کر گئی کہ اسے اپنا وجود جذبات کی لے میں بہتا ہوا محسوس ہوا۔کمال ہے اس کی محبت کا دم تو بھرتی رہی مگر اسے کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں۔اب جب دیکھا تو نظر اس کے وجود سے ہٹانا مشکل ہو گیا۔کاٹن کی گہری نیلی شلوار قمیض میں اس کا اونچا قد، چوڑے شانے اور گہرا سینہ نمایاں ہو رہا تھا۔اس کی بھوری آنکھیں اپنی پوری توجہ کے ساتھ اس پر مرکوز تھیں۔ایسے جیسے یا تو دنیا میں اس کے علاوہ کسی کا وجود ہی نہ ہو یا پھر کسی کا وجود کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا ہو۔ مونچھوں کے نیچے مسکراتے ہونٹ شاید اسے کچھ کہہ رہے تھے۔دینہ یکدم ہوش میں آئی تو دل کو بے قراری نے آ لیا اور یہ احساس اتنا اجنبی تھا کہ وہ اسے سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی بس اسے صرف اتنا پتا تھا کہ بے قراری ہر لمحے کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔

"بتاؤ، جھوٹا لگتا ہوں تمہیں کیا؟" صفدر کے پوچھنے پر دینہ نے ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں سر نفی میں ہلایا۔

"وعدہ کرتا ہوں تم سے تمہیں کالج سے کوئی نہیں روکے گا۔" صفدر نے اس کی گم صم سی آنکھوں میں جھانکا۔"
اب تم رونا مت پلیز۔"

"اب تو میرا کالج بند بھی کرادیں آپ تو نہیں رووں گی۔"

"واقعی؟" صفدر اس کے بدلے ہوئے رویے پر حیران ہوا۔ دینہ نے اثبات میں سر ہلایا" کیوں؟"

"آپ کالج سے زیادہ اہم جو ہو گئے ہیں۔"

"پہلے نہیں تھا؟" صفدر اس کی طرف جھکا۔ دینہ نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا تو صفدر نے اسے گھورا۔

"آپ کی بے چینی اور بے قراری کا آج احساس ہوا ہے۔"

"ہوں۔" صفدر مسلسل اس کے بدلے ہوئے رویے پر حیران ہو رہا تھا۔

"آپ کے صبر کا امتحان لیتی رہی ہوں۔ اب اور نہیں۔ آج سے میں سب کچھ ویسے ہی کروں گی جیسے آپ کہیں گے۔"

"تم تو لگتا ہے جان لینے کے درپے ہو۔ ویسے یہ سارے انکشافات اچانک ہی کیسے ہو گئے؟" صفدر نے بھنویں اچکائیں۔ دینہ نے مسکراتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے تو صفدر تو حیرت سے بے ہوش ہونے والا ہو گیا۔

"کیونکہ آج ہی تو سینے میں محبت کی آگ برابر بھڑکی ہے۔" اس نے کہتے ہی صفدر کے ہاتھ چھوڑے اور تیزی سے اس کی پہنچ سے دور ہوتی چلی گئی۔

دینہ لہکتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تو سکندر کے ہاتھ لگ گئی۔ انہوں نے اس کے چہرے پر خوشی کے پھیلے رنگوں کو مشکی انداز میں دیکھا۔

"کہاں گئی تھی؟"

"کنول کے گھر۔"

"آئندہ گھر سے نہیں نکلنا۔" سکندر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کی رخصتی تک اسے گھر میں باندھ کر رکھ لیں۔" اور اگر کبھی نکلنا ہو تو ساتھ کرمو کو لے کر جانا۔ مجھے کہیں اکیلی نظر آ گئی تو زمین میں گاڑ دوں گا۔"

"جی بھائی۔" دینہ نے نظریں جھکا کر کہا لیکن اس لمحے دل اتنا خوش تھا کہ سکندر کی ڈانٹ بھی اس کی خوشی کم نہیں کر سکی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے صفدر کو فون ملایا۔ صفدر منشی کے ساتھ زمینوں پر جا رہا تھا۔ اس نے اس کی کال کاٹ دی۔ دینہ نے غصے سے فون کو گھورا اور اسے میسج کیا کہ فارغ ہوتے ہی اسے فون کرے۔ اس سے پہلے دینہ نے کبھی صفدر کو فون نہیں کیا تھا۔ اس کا فون دیکھ کر تو صفدر کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ اور دل میں خوشی بھر گئی تھی۔

" لگتا ہے آگ سچ میں برابر بھڑک اٹھی ہے۔" اس نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے سوچا۔

دینہ انٹرنیٹ پر کپڑوں کے ڈیزائن دیکھ رہی تھی جب عالیان کا فون آیا۔ امید کے برعکس عالیان نے دینہ کی ہنستی مسکراتی آواز سنی تو وہ سمجھ نہیں پایا کہ کیا کہے۔

"تم خوش ہو؟" اس نے کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"ہاں۔" دینہ شرمائی۔

"صفدر بھائی سے شادی کرنا چاہتی ہو؟"

عالیان کے سوال پر دینہ نے کنفیوز سا ہو کر فون کی طرف دیکھا اسے تو ابھی تک کسی نے یہ نہیں پوچھا تھا۔ بس بتا دیا گیا تھا کہ وہ صفدر کی بچپن کی منگیتر ہے اور اسی سے شادی ہونی ہے۔

"ہاں تو ان سے ہی میری شادی ہونی ہے ناں۔ اس میں چاہنے نہ چاہنے کی کیا بات ہے۔"

"ہونی ٹل بھی تو سکتی ہے۔"

" کیسی باتیں کر رہے ہیں عالیان بھائی۔ اچھا سنیں مجھے امی بلا رہی ہیں۔ مجھے اپنے کپڑے لینے جانا ہے۔ سب کچھ اتنا اچانک ہو رہا ہے کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی۔ خدا حافظ۔" اس سے پہلے کہ عالیان اسے روک پاتا وہ فون بند کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

عالیان پچھلے دو دن سے ڈیرے پر تھا۔ وہ گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ صفدر کی شادی کی تیاریاں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دینہ کو صفدر کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں گرایا اور آنسو آنکھوں سے بہتے اس

کے ہاتھوں پر گرنے لگے۔ محبت کتنا بے بس کر دیتی ہے یہ اسے آج محسوس ہوا تھا۔ اگر دینہ اسے اشارہ بھی کر دیتی تو وہ اسے بھگا کر لے جاتا۔

"عالی، اندھیرے میں کیوں بیٹھا ہے؟" قاسم کمرے میں آیا تو اس نے ساری بتیاں جلا دیں۔ عالیان کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اسے روتے دیکھ کی وہ ششدرہ گیا۔

" کیا کر رہا ہے یار۔ سنبھال خود کو۔"

"وہ خوشی خوشی شادی کی تیاری کر رہی ہے۔" عالیان نے درد کے ایک طوفان کو دل میں سموتے ہوئے کہا۔

"اسے تیاری تو کرنی ہی تھی۔"

"لیکن وہ میری ہے۔ وہ کسی اور کی کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ میری محبت کیوں نہیں سمجھ رہی۔ اسے میرا درد کیوں محسوس نہیں ہو رہا ہے۔"

" کیونکہ تمہاری محبت یک طرفہ ہے۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتی۔ وہ اپنے گھر کی عزت کی حد کبھی پار نہیں کرے گی۔ وہ کبھی اپنوں کو رسوا نہیں کرے گی۔ تو بھی مت کر۔ گھر چل، ایک ہی بھائی ہے تیرا۔ اس کی خوشی میں خوش ہو یار۔"

"میرا دل درد سے پھٹ رہا ہے۔ میں کیسے خوش ہوں؟"

"تیرا راستہ غلط تھا عالی اور غلط راستے درد کے علاوہ کچھ نہیں دیتے۔ ابھی بھی وقت ہے سنبھل جا۔ اگر وقت ہاتھ سے نکل گیا تو یاد رکھنا پچھتاوے بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔"

"محبت بھی بہت تکلیف پہنچاتی ہے۔" عالیان کا لہجہ اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ قاسم کو لگا اگر اس لمحے اس نے اسے نہ سنبھالا تو وہ ٹوٹ جائے گا۔ اس نے عالیان کو گلے سے لگا لیا۔ اس کے گلے لگتے ہی وہ ایسے رویا گویا درد سے ختم ہی ہو گیا ہو۔

عالیان گھر آ گیا تھا۔ اس نے دینہ کے عکس کو دماغ سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی۔ دن بھر وہ شادی کے کاموں میں مصروف رہتا۔ ہنستا بھی، باتیں بھی کرتا مگر رات جب وہ اپنے کمرے کی تنہائی میں ہوتا تو اس کا صبر جواب دے جاتا۔ وہ ہر رات بکھرتا اور پھر ہر صبح خود کو سمیٹ کر دوبارہ سے نئے دن کا آغاز کر دیتا۔

دینہ نے صفدر سے آخر منوا ہی لیا کہ اسے پارلر سے تیار ہونا ہے اور جب صفدر مان گیا تھا تو باقی سب کو منانا اس کا ہی کام تھا۔ دینہ مطمئن سی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ رات اترنے والا سورج چڑھنے سے پہلے ہی اسے صفدر کے گھر پہنچا دے۔ بے قراری دونوں طرف برابر تھی۔

"پچھلے لان میں آؤ۔" دینہ نے فون کان سے لگایا تو صفدر کی بات سن کر وہ جلدی سے بستر سے نکلی، ڈھلکتا دوپٹہ سمیٹتی وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی اوپر آتے سکندر سے ٹکرا گئی۔ ابھی تو سکندر کچھ بولا بھی نہیں تھا کہ دینہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

سکندر نے اس کے اڑے ہوئے رنگ کو دیکھا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر پھیرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو دینہ کو لگا وہ اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھا رہے ہیں۔ اس نے غیر ارادی طور پر اپنا چہرہ اپنے بازو میں چھپا لیا۔ سکندر کا اٹھا ہاتھ اپنی جگہ جم گیا۔ جب سکندر کے ہاتھ نے دینہ کو چھوا نہیں تو اس نے دھیرے سے اپنی آنکھیں کھولیں اور ڈرتے ڈرتے سکندر کی طرف دیکھا۔ سکندر اپنا ہاتھ نیچے کر چکا تھا اور کچھ شاک کے سے عالم میں دینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔" دینہ نے معصومیت سے کہا۔ سکندر نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ہمیشہ خوش رہو۔ کبھی غم کا سایہ بھی نہ پڑے تم پر۔" انہوں نے نرم آواز میں کہا تو دینہ آنکھیں پھاڑے بس انہیں دیکھے گئی۔ "جاؤ" اسے کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھ گئے۔

دینہ سکتے کے عالم سے چونکی اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ لان میں اندھیرا تھا۔ دینہ کو اندھیرے سے ہمیشہ ہی خوف محسوس ہوتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ آخر صفدر کہاں ہے۔ جب صفدر ایک دم اس کے سامنے آ گیا وہ ڈر کر پیچھے ہٹی پھر منہ بنا کر بولی۔

"ڈرا دیا آپ نے مجھے۔"

"اور مجھے لگا تم مجھے دیکھ کر خوش ہو گی۔" صفدر مسکرایا۔

"بھائی نے دیکھ لیا ناں تو ہم دونوں کی خوشی نکال دیں گے۔"

"تمہارا بھائی تو بہت خوفناک ہے۔"

"میرے بھائی کو کچھ نہیں کہیں۔ وہ بس اوپر اوپر سے سخت ہیں۔"

"وہ اندر سے بھی اتنے ہی سخت ہیں۔ کسی قسم کے دھوکے میں مت رہنا۔" صفدر نے خبردار کیا۔

"اگر آپ جانتے ہیں تو پھر یہاں کیوں آئے ہیں؟" دینہ نے اسے گھورا۔

"تمہارے لیے چوڑیاں لایا ہوں۔" صفدر نے کمر کے پیچھے سے ہاتھ نکالا تو اس کے ہاتھ میں ہرے رنگ کی چوڑیاں تھیں۔

"یہ تو آپ چچی کے ہاتھ بھی بھجوا سکتے تھے۔" دینہ نے اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے لیں۔

"ہاں بھیج تو سکتا تھا مگر دل بھی تو بے تاب تھا تم سے ملنے کے لیے۔" دینہ کی طرف گہری نگاہ سے دیکھتے ہوئے گمبھیر آواز میں بولا تو دینہ کی نظر خود بخود ہی جھک گئی اور گالوں پر لالی بکھر گئی۔

"تمہارا دل بے تاب نہیں تھا کیا مجھ سے ملنے کے لیے؟" صفدر اس کی طرف جھکا۔ دینہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کیا تو اس نے دینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کا چہرہ اپنی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے لبوں سے لگا لیا۔ دینہ نے اپنا ہاتھ ایسے کھینچا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

"میں اندر جا رہی ہوں۔" وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ صفدر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے اور اس کے بیچ کا فاصلہ کم کیا تو دینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"بالکل بھی نہیں۔" اس نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑا اور اپنے ہاتھ اس کے بازوؤں پر اوپر نیچے دھیرے دھیرے پھیرنے لگے۔ دینہ سے تو شرم کے مارے پلکیں ہی نہ اٹھائی گئیں۔ "بتاؤ بے تابی کے اس سفر میں تم میری ہمسفر نہیں ہو کیا۔"

"صفدر جانے دیں مجھے۔" دینہ نے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی۔ وہ سخت نروس ہو رہی تھی اور کسی طرح اس کی قربت سے دور بھاگنا چاہتی تھی۔

"جانتی ہو تم نے پہلی دفعہ میرا نام لیا ہے۔ تم مجھے صفی بھی کہہ سکتی ہو۔"

"بس آپ جائیں۔" دینہ نے اسے پیچھے دھکیلا۔

"کیوں؟" صفدر نے اس کا چہرہ اونچا کیا تا کہ اس کی آنکھوں میں جھانک سکے لیکن اس نے اپنی بھاری پلکیں نہیں اٹھائیں۔

"مجھے۔۔صفدر پلیز۔" دینہ پریشان ہوئی۔

"پلیز کیا؟" صفدر کو اس کی شرم وحیا اچھی لگ رہی تھی۔

"بس خود ہی سمجھ جائیں آپ۔" دینہ مسکراتے ہوئے بولی اور اپنے کندھے چھڑواتی ہوئی الٹے قدموں اس سے دور ہوتی گئی۔

☆......☆......☆

عالیان نے جب دینہ کو مہندی کی رسم کے لیے اسٹیج پر بیٹھے دیکھا تو اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے ہی رہ گئی۔ اپنی آنکھوں سے ملتے گہرے سبز رنگ کا فراک پہنے، نارنجی دوپٹہ اوڑھے، کانوں اور ہاتھوں میں پھولوں کے زیور پہنے وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ دل نے درد سے سسکتے ہوئے کروٹ لی اور چھن جانے کا دکھ انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا۔ دل نے بہت ستایا، بہت سمجھایا کہ وہ جن قدموں سے آیا ہے ان ہی قدموں لوٹ جائے مگر اس نے دل کو اس درد سے آشنائی کی آزمائش میں ڈال دیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر اس کا دل کس حد تک صبر کر سکتا ہے، کس حد تک درد کے سامنے ٹھہر سکتا ہے، آخر وہ کون سی حد ہے جہاں اس کا دل گھٹنے ٹیک دے گا۔ درد کی انتہا تھی کہ وجود ریزہ ریزہ ہو رہا تھا لیکن اس نے خود کو بکھرنے نہیں دیا۔ خود کو سنبھالے اس نے رسم بھی کی، ناچا بھی، ہنسا بھی اور دینہ کو صفدر کے نام کی مہندی لگاتے دیکھتا بھی رہا۔

رات جب گھر جانے تک ہمت ٹوٹ گئی تو وہ تھکے قدموں اور ٹوٹے دل کے ساتھ ڈیرے پر چلا گیا۔ ہاتھ میں بوتل آئی تو سینے سے درد سرکتا ہوا محسوس ہوا۔ یہاں تک کے اس کے تصور میں دینہ کے چہرے کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا۔ وہ دینہ کے برابر اسٹیج پر بیٹھا تھا اس کے ہاتھ میں نارنجی رنگ کی چوڑیاں تھیں۔ اس نے وہ چوڑیاں دینہ کی طرف بڑھائیں۔ اس نے مسکرا کر پکڑ لیں۔

"یہ والی چوڑیاں صفدر نے دی ہیں۔" اس نے دائیں ہاتھوں میں پہنی ہرے رنگ کی چوڑیاں چھنکائیں۔

"آپ جو لائے ہیں وہ میں اس ہاتھ میں پہن لیتی ہوں۔"

اس نے چوڑیاں اپنی بائیں کلائی میں پہن لیں۔ "اس سے پہلے کچھ ادھورا ادھورا لگ رہا تھا۔اب سب مکمل ہوگیا ہے۔" اس نے دونوں کلائیوں میں چوڑیاں چھنکاتے ہوئے عالیان کی طرف دیکھا۔اس کا مسکراتا چہرہ نظروں سے دل میں اتار کر وہ وہاں سے آگیا مگر دل ایسے کرب میں تھا گویا کسی نے کند چھری سے ذبح کر ڈالا ہو۔دینہ کا چہرہ نگاہوں میں گھومتا رہا اور عالیان اسے نگاہوں میں بسائے بسائے سوگیا۔خواب نگر میں دینہ اس کی تھی۔وہاں نہ جدائی تھی، نہ درد اور نہ ہی اسے کھو دینے کا خوف۔

"کیا کر رہا ہے عالیان ابھی تک سویا ہوا ہے۔اٹھ یار تیری امی نے فون کر کے مجھے پریشان کر دیا ہے۔" قاسم نے سوتے ہوئے عالیان کو جگایا۔ "ادھر گھڑولی کی رسم بھی شروع ہوگئی ہوگی۔بارات بس نکلی ہی جاتی ہے اور تو ابھی تک پڑا ہوا ہے۔" قاسم نے اسے پکڑ کر بٹھایا۔

"سونے دے مجھے۔" عالیان نے خود کو اس سے چھڑوایا۔

"دو تین گھنٹے کی بات ہے واپس آ کر سو جانا۔اٹھ جا تیرے سگے بھائی کی شادی ہے۔" عالیان نے کچھ حیرت سے قاسم کی شکل دیکھی اور پھر اپنا سر اپنے ہاتھوں میں گرا دیا۔وہ کیسے بھول گیا کہ صرف خواب میں دینہ اس کی تھی حقیقت میں تو وہ صفدر کی دلہن بن رہی تھی۔

"دینہ بھابھی بھی پارلر سے گھر پہنچتی ہوگی۔ہم بارات کے ساتھ نہ جا سکے تو سیدھا ادھر ہی پہنچ جائیں گے۔ تو جلدی سے تیار ہو جا۔"

"گاڑی کی چابی دے مجھے۔" عالیان کے بجلی کی طرح کھڑا ہونے پر قاسم کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیوں؟"

"میں تیری گاڑی لے جا رہا ہوں تو میری لے جا۔اس کا انجن مسئلہ کر رہا تھا۔تو دیکھ لینا۔میں پہنچتا ہوں۔" عالیان نے اس کی جیب سے گاڑی کی چابی نکالی۔

"میں چلتا ہوں ناں ساتھ۔" قاسم کو اس آندھی طوفان جیسے رویے کی سمجھ نہیں آئی۔

"نہیں تو میری گاڑی لے کر جا۔میں تجھے ملتا ہوں۔" عالیان بنا رکے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

کرمو چاچا سڑک کے دوسری طرف پارلر کے گارڈ کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔انہوں نے کالے رنگ کی پراڈو کو تیزی سے پارلر کے سامنے آ کر رکتے دیکھا تھا تو اس کے بارے میں زیادہ خیال نہیں کیا۔لیکن چند لمحوں بعد دلہن بنی دینہ کو اس گاڑی میں سوار ہوتے دیکھا تو انہیں تشویش ہوئی۔وہ فوراً اٹھے۔انہیں لگا گاڑی انہیں بٹھانے کے لیے رکے گی مگر گاڑی تو فراٹے بھرتے ہوئے نکل گئی۔وہ یہ سوچ کر سر جھکا کر پیدل ہی چل پڑے کہ ان بڑے لوگوں کا کیا پتا کیا کیا سوچتے اور کیا کیا کرتے ہیں۔سفینہ کے سیٹ کے ساتھ کے جھمکے گھر رہ گئے تھے۔آسیہ نے انہیں کہا تھا وہ جھمکے سفینہ تک پہنچادیں۔وہ سفینہ کو جھمکے پہنچانے کی غرض سے ملک فیاض کے گھر کی طرف چل پڑے۔

سکندر نے گاڑی جب پارلر کے سامنے کھڑی کی تو کرمو چاچا کا دور دور تک نام ونشان نہ پا کر ان کا دماغ کھول کر رہ گیا لیکن ان کے ہاتھوں کے طوطے تو تب اڑے جب انہیں پتا چلا کہ دینہ پارلر میں نہیں ہے۔پریشانی کے عالم میں وہ اپنی گاڑی اڑاتے ہوئے گھر پہنچے۔انہیں پوری امید تھی کہ دینہ کو کوئی اور گھر لے آیا ہوگا۔

"دینہ کہاں ہے؟" امی کا یہ سوال ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لے گیا۔"کہاں ہے بیٹے؟" آسیہ بیٹے کے چہرے سے ہوائیاں اڑتی ہوئی دیکھ چکی تھیں۔

"کہیں چلی گئی۔" ان کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے ولی اس کی آواز سن نہیں پائے۔"کسی کے ساتھ چلی گئی۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" ولی نے اپنے اور اس کے بیچ کا فاصلہ طے کیا۔

"بھاگ گئی۔ہماری عزت اپنے قدموں تلے روند کر بھاگ گئی۔" ان کے ماتھے کی تنی ہوئی رگوں سے ان کے غصے کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"ایسا نہیں ہوسکتا۔" آسیہ تڑپ کے بولیں۔

"ایسا ہوگیا ہے۔" سکندر نے ایک بار بھی اپنی آواز اونچی نہیں کی۔جس کا سر اس کی بہن نے جھکا دیا ہو اس کی آواز کیسے بلند ہوسکتی ہے۔"چلی گئی ہے وہ۔"

"ایسا نہیں ہوسکتا بیٹا۔کرمو تھا وہاں وہ کہاں ہے اسے پتا ہوگا۔" آسیہ پریشانی میں ہاتھ ملتے ہوئے بولیں

لیکن ولی بالکل خاموشی سے قریب کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کے دل سے ٹوٹ کر فریاد نکلی کہ یا رب میری بیٹی کو محفوظ رکھنا۔

"وہاں نہیں تھا کرمو چاچا۔"

"میں نے اسے کہا تھا کہ سفینہ کو جھٹکے دیتے آنا وہ وہاں گیا ہوگا اور دینہ بھی وہاں ہوگی۔"

"پاتال کے نیچے بھی ہوئی تو ڈھونڈ کر نکال لوں گا اسے اور اسے گولی میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔"

سکندر نے اپنا پستول نکالا اور گھر سے نکل گئے۔ ولی اور آسیہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے مگر کہہ کچھ بھی نہیں سکے۔ عزت تو داؤ پر لگ گئی تھی مگر ابھی بھی ولی کے لیے عزت سے بھی زیادہ اہم بیٹی تھی۔ انہوں نے دل ہی دل میں اس کی خیریت کے لیے منتیں مانگنا شروع کر دی تھیں۔ وہ چاہتے بھی تو اس لمحے سکندر کو نہیں روک سکتے تھے۔

☆......☆......☆

"کیا ہو رہا ہے؟" صفدر ابھی تیار ہونے کمرے میں گیا تھا کہ اسے ابا کا بلاوا ملا۔ وہ ابا کے کمرے میں پہنچا تو سکندر کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"سکندر دینہ کو لینے گیا تھا مگر وہ پارلر میں نہیں تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہیں ابا۔ کوئی اور اسے گھر لے گیا ہوگا۔ آپ نے گھر پر دیکھا سکندر بھائی؟" صفدر کی رگوں میں خون جمنے لگا تھا۔ سکندر اس کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"آپ سفینہ کو بلائیں۔" سکندر نے چچا سے کہا۔

"میں باجی کو لے کر آتا ہوں۔" صفدر کمرے سے نکل گیا۔ چند لمحوں میں بوکھلائی ہوئی سفینہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم جانتی تھی اس کا پلان؟" ان کے اندر آتے ہی سکندر کی سخت آواز کمرے میں گونجی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ آپ کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں؟"

"کیا تم جانتی تھی دینہ بھاگ جائے گی؟" سکندر نے آنکھوں میں جو طوفان تھا وہ بربادی کا پیش خیمہ تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ سکندر بھائی، دینہ بھاگ نہیں سکتی۔ اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ وہ

خود اپنی مرضی سے نہیں جاسکتی۔"

"کیا تم جانتی تھی؟" اس سارے عرصے میں سکندر کی آواز پہلی دفعہ بلند ہوئی۔ سفینہ کانپ کر پیچھے ہٹی اور اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں بتا رہا ہوں ناں سکندر بھائی۔ اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ وہ بھاگ نہیں سکتی ہے۔" صفدر کی آواز بھی نہ چاہتے ہوئے بلند ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی مزید کچھ کہتا سب کی توجہ دروازے پر ہونے والی دستک پر مرکوز ہوگئی۔ فیاض نے اجازت دی تو کرمو چاچا اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں سفینہ کے جھمکے تھے مگر ماحول کی گرمی کا انہیں ایک لمحے میں اندازہ ہوگیا۔

"دینہ کہاں ہے؟" سکندر کے سوال پر ان کے پیروں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی۔

"چھوٹے مالک، وہ گھر پہنچ گئی ہوگی" اس جواب پر کرمو چاچا کو اتنا زناٹے دار تھپڑ پڑا کہ وہ زمین پر جا گرے

"میرے سوال کا سیدھا سیدھا جواب چاہیے۔ میں وہاں تمہیں دینہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر آیا تھا۔ کہاں ہے وہ؟"

"میں تو سارا وقت وہیں تھا چھوٹے مالک۔" کرمو چاچا بامشکل اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے۔ "ایک کالے رنگ کی پراڈو رکی، ایک لڑکا اترا اور دینہ بی بی اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔" کرمو چاچا نے کانپتی آواز میں کہا۔ ان کے خاندان میں کسی کے پاس کالے رنگ کی پراڈو نہیں تھی۔

"میں سمجھا آپ نے کسی کو بھیجا ہوگا۔"

صفدر جو ابھی تک اس یقین میں تھا کہ دینہ بھاگ نہیں سکتی۔ اپنے وجود کا بوجھ برداشت نہ کرتے ہوئے وہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کا وجود تیز آندھیوں کے زد میں تھا۔ دل میں درد کا جو طوفان اٹھا تھا اسے زمین سے اکھاڑ پھینکنے کی ایسی ہولناک کوشش کر رہا تھا کہ صفدر کو سانس لینا بھی دشوار لگ رہا تھا۔

"پہلی گولی جب اسے مارلوں گا تو دوسری تمہیں ماروں گا۔" سکندر نے لرزتے ہوئے کرمو چاچا کا گریبان پکڑ کر کہا اور ایک تیز نظر سفینہ پر ڈال کر کمرے سے نکل گئے۔

فیاض چپ چاپ اس سوچ میں گم تھے کہ یہ جو آگ ان کے گھر میں لگی ہے وہ کہیں گھر کے چراغ سے ہی نہ

لگی ہو۔ کرمو چاچا کمرے سے نکلے تو پیچھے پیچھے سفینہ بھی نکلی لیکن اس سے پہلے کہ وہ دور جاتی اس نے صفدر کو کھڑے ہوتے دیکھا۔ جس ٹوٹ پھوٹ کا وہ شکار ہوا تھا اس کا اندازہ انہیں بخوبی تھا مگر اس کی آنکھوں میں جو غصہ اور جنون تھا وہ بالکل نیا تھا۔

"یہ لو۔" فیاض نے اپنے سائیڈ ٹیبل سے پستول نکال کر اسے تھمایا۔ "جاؤ اپنی عزت کا ادھار چکا کر آؤ۔" سفینہ کے پاؤں زمین نے جکڑ لیے جب صفدر نے عزم کے ساتھ پستول ہاتھ میں پکڑی اور بنا کچھ کہے کمرے سے باہر آیا۔

"صفدر۔" سفینہ نے اسے روکنا چاہا مگر اس وقت درد، غم اور غصے کا جو طوفان اس کے اندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ اپنے ساتھ سب کچھ بہا لے جانا چاہتا تھا۔ وہ تھم نہیں سکتا تھا۔ صفدر نے دھیرے سے نفی میں ہلا کر سفینہ کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

سفینہ نے ایک گہری سانس بھر کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر کچھ خیال آنے پر وہ ایک دم نیچے کو بھاگی۔

" کرمو چاچا، مجھے بتائیں گاڑی کیسی تھی اور کیا نمبر تھا اس کا؟"

"کالے رنگ کی پراڈو تھی بیٹی۔ نمبر کی جگہ شاہ 1 لکھا تھا۔"

"میرے ساتھ آئیں۔" سفینہ تیزی سے حویلی کے پچھلے حصے کی طرف بڑھی۔ "مردانے سے قاسم کو بلا کر لائیں اور گاڑی ادھر پیچھے کی طرف لائیں۔"

☆......☆......☆

"عالیان بھائی! آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" دینہ کا دل ڈر کے مارے اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اسے لگا پسلیوں سے باہر آ جائے گا۔ وہ انتہائی مشکل سے اسے گھر کے اندر لایا تھا۔ اب بیڈ روم میں وہ بے چینی سے کھڑا اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" عالیان نے نرمی سے کہا۔

"مجھے نہیں بیٹھنا۔ مجھے گھر لے کر جائیں۔ سب پریشان ہو رہے ہونگے۔" دینہ کی بات کا عالیان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی مگر عالیان اس کی طرف کمر موڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"مجھے گھر لے کر جائیں۔ آج شادی ہے میری۔" وہ چیخی۔

"نہیں۔" عالیان اس کی طرف مڑا اور سرنفی میں ہلاتا ہوا بولا۔ "آج شادی نہیں ہوگی تمہاری۔"

"ایسا مت کہیں۔ سکندر بھائی مجھے گولی ماردیں گے۔" وہ شاک کی سی حالت میں پیچھے ہٹی۔

عالیان بے چینی سے اس کے قریب آیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "نہیں۔ میں تم پر آنچ بھی نہیں آنے دونگا۔"

دینہ نے بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ چھڑوایا۔

"یہ ٹھیک نہیں کررہے آپ عالیان بھا۔۔۔"

"شش، شش۔" عالیان نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اس کے الفاظ کا گلا اس کے حلق میں ہی گھونٹ دیا۔ "بھائی نہیں ہوں تمہارا۔ محبت کرتا ہوں تم سے۔"

دینہ نے اس کی آنکھوں میں چھلکتے جنون کو خوف کے عالم میں دیکھا۔

"میں آپ کے بھائی کی ہونے والی بیوی ہوں۔" دینہ کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

"نہیں، صرف میری دلہن بنوگی۔ مجھ سے ہوگی تمہاری شادی۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ میں اپنے گھر والوں کی عزت اپنے پاؤں تلے نہیں روند سکتی۔ مجھے گھر چھوڑ کر آئیں۔" دینہ رونے کے ساتھ ساتھ چیخی۔

"رونہیں میری جان۔" عالیان نے اس کے آنسو صاف کیئے۔ دینہ نے خود کو اس کے ہاتھوں سے آزاد کروایا اور دروازے کی طرف بھاگی لیکن عالیان نے کسی جنونی کی طرح اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف پلٹا۔

"مت پرواکرو دنیا کی۔ میں تمہیں اس دنیا سے بہت دور لے جاؤں گا۔ کوئی تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں ڈررہی ہو تم؟"

"میں آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔ مجھے دیکھیں عالیان بھائی۔ غور سے دیکھیں میں آپ کے بھائی کی دلہن بنی کھڑی ہوں۔ جس چوکھٹ سے آپ مجھے دور لے آئے ہیں اس چوکھٹ سے اپنے بھائی اور باپ کی

عزت ساتھ لائی ہوں۔مت روندیں مجھے۔مجھے جانے دیں۔" دینہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"جانے کی بات مت کرو۔" عالیان نے دھیمی آوز میں کہا۔

"مجھے جانے دیں عالیان بھائی۔"

"بتایا ناں بھائی نہیں ہوں میں تمہارا۔" عالیان اتنی زور سے چیخا کہ دینہ کی ڈر کے مارے چیخ نکل گئی۔

"اور جانے کی بات نہ کرو۔تم نہیں جاسکتی ہو۔" عالیان نے اسے جھنجھوڑا۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی۔میں صفدر کی دلہن ہوں وہ انتظار کر رہے ہونگے میرا۔"

"نہیں ہو تم صفدر بھائی کی دلہن۔" عالیان نے جنونی حالت میں دینہ کا دوپٹہ کھینچ کر اس کے سر سے اتارا تو دینہ کا ڈر کے مارے رنگ سفید پڑ گیا۔کانپتی ٹانگوں کے ساتھ اس نے عالیان کی آنکھوں میں جھانکا۔" تمہاری شادی صرف مجھ سے ہوگی۔"

"نہیں۔" دینہ ڈر کے پیچھے ہٹی۔" میں کبھی آپ سے شادی نہیں کرونگی۔"

"تو ٹھیک ہے۔" عالیان آنکھوں میں غصہ اور عزم لیے اس کی طرف بڑھا۔" میں تمہیں جانے نہیں دونگا بھلے تم مجھ سے شادی کرو یا نہیں۔مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا مجھے صرف اتنا پتا ہے تم میری ہو اور میرے پاس ہو اور میرے پاس ہی رہوگی۔"

"مجھ سے دور رہیں عالیان بھائی۔" دینہ اس کے ہر بڑھتے قدم کے ساتھ پیچھے ہٹ رہی تھی۔

"اتارو یہ چوڑیاں، یہ زیور اور یہ سارا ہار سنگھار۔" عالیان اس سے دو قدم دور رک گیا۔دینہ اپنی جگہ ساکت رہی تو عالیان نے اس کی کلائی پکڑ کر زبرستی چوڑیاں اتارنا شروع کر دیں۔سونے کی چوڑیاں ہاتھوں پر خراشیں ڈالتی ہوئی اتر گئیں مگر کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کے اس کا ہاتھ زخمی کرتی رہیں۔خون بہتا رہا مگر عالیان چوڑیاں اتارتا رہا۔اس کے بعد اس نے اس کا ایک ایک زیور نوچ کر اتارا اور پھر اس نے اپنے زخمی کر دینے والے ہاتھ سے اس کی لپ اسٹک اتاری۔

"صرف میری ہو تم۔کسی کی دلہن نہیں ہو۔"

دینہ کے آنسو اس کے گالوں پر پھسلنے لگے۔عالیان ساری حدیں پار کر کے اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ

اس کی گرم سانسیں اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔

"آپ ایک درندے کی مانند ہیں صرف میرے وجود پر قبضہ کر سکتے ہیں مگر میرا دل کبھی آپ کے لیے نہیں دھڑکے گا۔ آپ کو کبھی قبول نہیں کرونگی۔" اس کے چہرے پر نرمی سے پھیرتے عالیان کا ہاتھ رک گیا۔ "میں آپ کو کبھی معاف نہیں کرونگی۔ اگر محبت کے دعوے دار ہیں تو اتنا تو سوچتے محبت تو عزت کی چادر پہناتی ہے سر سے چھینتی نہیں ہے۔"

عالیان نے اپنا ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹالیا اور اس کے بازو کی طرف دیکھا جہاں سے خون دھیرے دھیرے رس رہا تھا۔ عالیان نے اس کے ہاتھ میں پہنی ہیرے کی انگوٹھی کی طرف دیکھا۔ بے تکلفی اور اعتبار کے زمانے میں دینہ نے اسے بتایا تھا کہ یہ انگوٹھی اسے صفدر نے لے کر دی ہے۔ عالیان کو اپنا وجود درندے سے بھی گھٹیا محسوس ہوا۔ اس نے دینہ کے ہاتھ سے انگوٹھی اتاری اور اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اس کو دیکھا۔ اس میں خون کے داغ تھے۔

"کیوں کر رہی ہو ایسے؟"

"میں صفدر سے بہت محبت کرتی ہوں۔"

یہ وہ الفاظ تھے جو عالیان صرف اپنے لیے سننا چاہتا تھا صفدر کے لیے یہ الفاظ سن کی اسے لگا وہ ٹوٹ کر بکھر گیا ہو۔ وہ دینہ سے دو قدم پیچھے ہٹا۔ اس کا دل چاہا وہ پوری دنیا کو آگ لگا دے۔ ایسا کہرام برپا کرے کہ دنیا دہل جائے۔ وہ ہار گیا تھا۔ وہ سب کچھ کر کے بھی ہار گیا تھا۔ جب وہ دینہ کا دل ہی نہیں جیت سکا تو پھر رہ ہی کیا گیا تھا جسے وہ جیتتا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے سامنے کھڑی لڑکی جس کے لیے وہ جان دے بھی سکتا تھا اور لے بھی سکتا تھا کسی اور کی محبت کا دم بھر رہی تھی۔ وہ کسی اور کی دلہن بنی کھڑی تھی۔ وہ اس کی نہیں تھی۔ اس کی چاہتوں کو اس نے بے مول کر دیا تھا۔ عالیان نے ٹوٹے ہوئے انداز میں اسے دیکھا اور شکست خوردہ انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے جانے دوں گا میں تمہیں مگر آج تم صرف میری ہوگی۔"

☆......☆......☆

رات جب اجلی صبح میں تبدیل ہوئی تو نہ روشنی لائی، نہ گرمائش اور نہ ایک نئے دن کی نوید۔اندھیرا ختم جانے کے باوجود تاریکی نہیں چھٹی۔دینہ دیوار سے ٹیک لگائے ٹھنڈے فرش پر ہوش اور بے ہوشی کے بیچ جھول رہی تھی۔پوری رات بیت گئی تھی، اس کی رخصتی کا وقت بیت گیا تھا اور کوئی اسے ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔اگر اب کوئی اسے ڈھونڈ بھی لیتا تو قبول نہیں کرتا۔اس کی شادی کی رات اس کے نصیب میں بربادی لکھ دی گئی تھی۔وہ تو انصاف کی حقدار نہیں رہی تھی۔اب اس کے حق میں صرف اس کے بھائی اور باپ کی عزت کا ادھار تھا جو جان دے کر ہی چکایا جا سکتا تھا۔وہ اپنے رسم و رواج سے واقف تھی، جانتی تھی اگر باپ نے چھوڑ دیا تو بھائی کی گولی کا نشانہ بن جائے گی۔اس لیے عالیان کے کمرے سے چلے جانے کے بعد بھی اس کے جسم میں جنبش نہیں آئی۔

کمرے میں قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس نے اپنی نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔سفینہ اس کی جانب بڑھ رہی تھی اور کچھ کہہ رہی تھی مگر اس کو الفاظ کو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔وہ نا سمجھی میں سفینہ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔اس کے الفاظ تو سنائی دے رہے تھے مگر وہ مفہوم کھو چکے تھے۔

"یہ کیا ہو گیا۔۔۔دینہ ہوش کرو۔اٹھو۔۔دینہ اٹھو۔بھاگو۔۔بھاگو دینہ بھاگو۔چاچا۔۔۔چاچا۔۔لے جاؤ اسے۔دینہ بھاگو وہ آ رہے ہیں۔بھاگو میری جان بھاگو۔دینہ۔" بھابھی کی چیختی، لرزتی آواز پر دینہ اپنے پاؤں پر تو کھڑی ہو گئی مگر اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہی ہے۔

"قاسم، پکڑو اسے۔" سفینہ کی آواز پر قاسم تیزی سے آگے بڑھا اور گرتی ہوئی دینہ کو اس نے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔"تم اسے یہاں سے کہیں دور لے جاؤ۔سکندر اور صفدر دونوں کو اس جگہ کا پتا چل گیا ہے وہ آتے ہی ہوں گے۔اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے" قاسم نے بے ہوش دینہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور تیزی سے باہر نکلا

"میں فارم ہاؤس لے جا رہا ہوں۔عالیان میری گاڑی ادھر ہی چھوڑ گیا ہے اور میرے پاس دوسری چابی ہے۔فارم ہاؤس تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔"

"ہاں جاؤ۔کرمو چاچا آپ مجھے گھر لے جائیں۔"

قاسم نے بے ہوش دینہ کو گاڑی میں ڈالا اور لمحے میں اس کی پراڈو فراٹے بھرنے لگی۔دھول اڑاتی دونوں گاڑیاں الگ الگ راستے پر نکلی تھیں۔اگر انہیں نکلنے میں چند لمحے بھی اور لگ جاتے تو صفدر اور سکندر کی گاڑیوں

سے ان کا سامنا ہو جاتا تب صرف دینہ ہی نہیں سفینہ، قاسم اور کرمو چاچا کی بھی موت یقینی تھی۔

گاؤں سے دور یہ غیر آباد گھر چودھری اختر کا تھا۔ وہ خود امریکہ میں مقیم تھے یہاں ان کے صرف نوکر ہی آیا جایا کرتے تھے۔ یا پھر اوباش قسم کے لڑکوں نے جب عیاشی کرنی ہوتی تھی تو وہ نوکروں کو پیسے دے کر گھر کا استعمال کرتے تھے۔

سکندر اور صفدر کی گاڑیوں کی دل دہلا دینے والی بریک ساتھ ساتھ لگی تھی، جب وہ اپنی اپنی گاڑیوں سے نکلے تو دونوں کے ہاتھ میں لوڈڈ پستول تھے۔ وہ دندناتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ سکندر اور صفدر نے گھر کا ایک ایک حصہ چھانا۔ بالآخر ایک کمرے میں آ کر ان کے پاؤں کو زمین نے جکڑ لیا۔ اس کمرے میں ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ساتھ خون کے دھبے تھے، دینہ کے زیور پورے کمرے میں بکھرے ہوئے تھے، اس کا دوپٹہ بیڈ کے کنارے سے لٹک رہا تھا، اس کے سر کی سوئیاں فرش پر پھیلی ہوئی تھیں۔ صفدر نے ایک گہرا سانس کھینچا اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ سکندر کا خون اس حد تک گرم ہو گیا کہ انہوں نے خالی فرنیچر کو ہی اپنی گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا۔

"میں معاف نہیں کرونگا تمہیں دینہ۔ جب تک اپنے پستول کی ساری گولیاں تمہارے سینے میں نہ اتار لوں میری غیرت اور میری عزت ادھار پر تم پر۔" سکندر پاگلوں کی طرح چیخے۔ صفدر خاموشی سے اپنی گاڑی تک کا راستہ طے کر چکا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور ہاتھ میں پستول پکڑے اس نے دونوں ہاتھ اسٹیرنگ ویل پر رکھے۔ کمرے کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے گھوما۔ وہ اس کمرے میں دینہ کے وجود کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر بار بار دینہ کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ صفدر نے دونوں ہاتھ زور زور سے اسٹیرنگ ویل پر مارے اور بے ساختہ چیخا۔

"کیوں؟ کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟ میری عزت کا سر عام تماشا کیوں بنایا تم نے دینہ؟ کیوں؟"

جانے کتنی دیر بیت گئی تھی صفدر اسی طرح گاڑی میں بت بنا بیٹھا تھا جب شیشے پر سکندر نے اپنے پستول سے دستک دی۔ صفدر نے شیشہ نیچے کیا تو سکندر پر عزم آواز میں بولے۔

"تم گھر جاؤ۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ وہ اگر آباد ہونے تمہارے گھر نہیں آئی تو میں اسے گولی مار کے

تمہارے گھر لاؤں گا لیکن وعدہ کرتا ہوں اسے میری اور تمہاری عزت کا حساب اپنے خون سے دینا ہوگا۔ جب تک اسے ڈھونڈ نہیں لیتا سکون چین سب حرام ہے مجھ پر۔"

"سکون چین تو مجھ پر بھی حرام ہے۔ اگر میری نظروں کے سامنے آگئی تو گولی آپ نہیں میں ماروں گا۔" صفدر کے انداز میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

☆......☆......☆

دینہ جب مکمل ہوش میں آئی تو ٹوٹ کر روئی۔ قاسم اسے فارم ہاؤس چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس نے گھر کی کھڑکیاں، دروازے کھولنے کی بہت کوشش کی مگر سب کچھ بند تھا۔ وہ کمرے میں پڑی روتی رہی یہاں تک کے آنسو خود بخود ہی خشک ہو گئے اور دل اتنا تھک گیا کہ درد بھی محسوس ہونا بند ہو گیا۔

دو دن بعد قاسم نے آکر دروازہ کھولا تو دینہ ڈر کے مارے کمرے میں چھپ گئی۔ قاسم کو اسے ڈھونڈنے میں بہت مشکل ہوئی لیکن مسلسل ایک گھنٹہ ڈھونڈنے کے بعد وہ آخر اسے مل ہی گئی۔

"مجھ سے ڈریں مت۔ میں سفینہ بھابھی کے کہنے پر آپ کو یہاں لایا ہوں۔ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔" قاسم نے ہاتھ اٹھا کر اسے نرمی سے سمجھایا۔ دینہ کی آنکھوں میں شک ہی شک تھا۔ وہ محتاط طریقے سے اسے دیکھتی رہی۔

"عالیان نے جو کیا وہ سب جانتا ہوں میں۔" قاسم نے اپنے اور اس کے بیچ کا فاصلہ کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔" کچھ دیر میں سفینہ بھابھی بھی آتی ہی ہونگی باقی کی ساری بات وہ خود آپ کو سمجھا دیں گی۔ بس اتنا یاد رکھیں آپ میری بہنوں کی طرح ہیں اور آپ کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر قاسم جب کمرے سے نکل گیا تو دینہ تھکے ہوئے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی۔ قاسم کے الفاظ پر اسے اعتبار نہیں تھا۔ جب اپنے بھروسہ توڑتے ہیں تو پھر دنیا کا ہر شخص ہی مشکوک محسوس ہوتا ہے۔

شام ہونے سے کچھ پہلے سفینہ اسے ملنے آئی۔ سفینہ کو دیکھ کر دینہ کے سارے درد ہرے ہو گئے۔ ان کی گود میں وہ بلک بلک کر روئی۔ سفینہ نے اسے رونے دیا جب وہ خوب رو چکی تو انہوں نے اسے خود سے الگ کیا اور اس کا چہرہ صاف کیا۔

"مجھے گھر جانا ہے بھابھی۔" دینہ آنسوؤں سے بھاری آواز میں بولی۔سفینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے گھر جانا ہے بھابھی۔" دینہ نے وہی الفاظ دہرائے مگر اس دفعہ اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"بھول جاؤ کہ تمہارا کوئی گھر ہے۔"

"نہیں۔" دینہ نے بے قراری سے سر نفی میں ہلایا۔

"ہاں۔" سفینہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔"سکندر تمہیں ہر جگہ ڈھونڈ رہے ہیں جس وقت تم انہیں مل گئی وہ تمہیں گولی مار دیں گے۔"

"میرا کوئی قصور نہیں ہے بھابھی۔"

"میں جانتی ہوں میری جان۔ نہ ہوتے ہوئے بھی تمہارا یہ قصور ہے کہ تم ان کی رسوائی کا سبب ہو۔"

"میں بھائی کو سب کچھ بتاؤں گی۔وہ میرا یقین کریں گے۔"

"تم سکندر کو جانتی ہو۔وہ تمہیں کچھ کہنے سننے کا موقع نہیں دیں گے۔وہ لوڈڈ پستول کے ساتھ تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

"آپ انہیں بتائیں ناں کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔میرا کوئی قصور نہیں ہے۔پلیز بھابھی آپ ان سے بات کریں ناں۔"

"اگر میری اہمیت رتی برابر بھی ہوتی تو میں ان سے ضرور بات کرتی لیکن میں تو ان کی زندگی میں رتی برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی۔ان کی تو کیا کسی کی زندگی میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"پھر آپ مجھے بات کرنے دیں۔سکندر بھائی سے نہ سہی صفدر سے بات کرنے دیں۔وہ میری بات سنیں گے اور سمجھیں گے۔وہ محبت کرتے ہیں مجھ سے۔مجھے مایوس نہیں کریں گے۔"

"جتنی جلدی اس محبت سے مایوس ہوگی اتنی ہی جلدی زندگی کی طرف قدم بڑھانے میں کامیاب ہوگی۔"

"نہیں چاہیے۔" دینہ نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔"مجھے ان کے بغیر زندگی نہیں چاہیے۔جو سب میرا تھا وہ واپس چاہیے مجھے۔" دینہ کی آواز جذبات سے بلند ہوگئی۔

"کچھ بھی تمہارا نہیں دینہ۔تمہارے پاس صرف یہ زندگی ہے اور چند دنوں کے لیے میرا سہارا ہے۔اس

کے بعد اس زندگی کی جنگ تمہیں تنہا ہی لڑنی ہو گی۔ خود کو مضبوط کرنا ہوگا۔ اپنی طاقت پر بھروسہ کرنا ہوگا۔"

"ایسا مت کہیں بھابھی۔ مجھے صفدر سے بات کر لینے دیں۔ وہ سب سمجھ جائیں گے۔"

"ایک پستول سکندر کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا صفدر کے۔ انہیں پرواہ بھی نہیں ہے کہ تم کس کے پستول سے نکلنے والی گولی کی زد میں آتی ہو۔ وہ بس تمہارے سینے میں گولیاں اتارنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اب بھول کر بھی صفدر پر بھروسہ کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ تمہاری محبت کا دم بھرنے والا صفدر کہیں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ یہ صفدر تو صرف تمہارے خون سے خود پر لگے بدنامی کے داغ کو دھونا چاہتا تھا۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ بھابھی۔" دینہ تڑپ سی گئی۔

"مجھے جانا ہے دینہ۔ اگلی دفعہ آؤں گی تو تمہارے یہاں سے جانے کا انتظام کر کے آؤں گی۔" سفینہ بھاری دل کے ساتھ روتی ہوئی دینہ کو چھوڑ کر گھر آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ آگ کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ اگر سکندر کو بھنک بھی پڑ گئی کہ سفینہ کا دینہ سے کوئی بھی رابطہ ہے تو وہ اسے گولی مارنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ ابھی تو وہ دونوں گھروں میں رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے سسرال میں میکے کا اور میکے میں سسرال کا کہہ کر نکل آتی تھی جس دن انہیں علم ہو گیا کہ اس بیچ کی خلا میں وہ دراصل دینہ کو بچا رہی ہے تو وہ خود نہیں بچ پائے گی۔

☆......☆......☆

فیاض عالیان کے لیے سخت پریشان تھے۔ عالیان نے ان کے سامنے خود اعتراف کیا تھا کہ وہی دینہ کو لے کر گیا تھا۔ انہوں نے اس کے پینے اور نشے کی عادت کو استعمال کرتے ہوئے اسے ڈیرے پر بھیج دیا۔ جہاں وہ دن رات دھت پڑا رہتا تھا۔ انہوں نے اس کے ملک سے باہر جانے کا بھی انتظام کر لیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے اگر وہ یہاں رہا اور کسی طرح صفدر یا سکندر کو اس کے کرتوتوں کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اسے گولی مارنے میں دریغ نہیں کریں گے۔ اگر اپنے سگے بھائی نے اسے چھوڑ بھی دیا تو سکندر اسے نہیں چھوڑے گا۔

حسب وعدہ جب سفینہ اگلی دفعہ آئی تو دینہ کے جانے کا انتظام کر کے آئی۔ اس کا پلان پوری طرح سے تیار تھا لیکن دینہ کو سمجھا سمجھا کر بالآخر جب سفینہ تھک گئی تو اس نے قاسم کے ایک ملازم کا فون دینہ کو دیا تا کہ وہ صفدر سے ایک دفعہ بات کر لے۔

گھنٹی کافی دیر تک بجتی رہی۔ صفدر فیکٹری میں تھا۔اس نے فون کی طرف توجہ نہ دی۔ دینہ کی بے چینی میں ہر پل کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔ جب فون بار بار بجا تو صفدر نے ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر پھینک کر فون کان سے لگالیا۔

"صفدر۔" آنے والی آواز کے ایک ہی لفظ سے وہ پہچان گیا کہ دوسری طرف دینہ ہے۔اس کا خون لاوا بن کر رگوں میں دوڑنے لگا۔

"تمہاری جرأت کی داد دیتا ہوں۔ بھاگ جانے کے بعد مجھے فون کرنے کا بھی حوصلہ رکھتی ہو۔" صفدر کی آواز میں چٹانوں سی سختی تھی۔

"میں نہیں بھاگی۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔غلط تو میرے ساتھ ہوا ہے اگر آپ میری بات سن لیں تو آپ سب سمجھ جائیں گے کہ میں قصوروار نہیں ہوں۔"

"میری دلہن بن کر کسی اور کی راتیں رنگین کرنے کے بعد تمہیں لگتا ہے اب میں تمہاری جھوٹی کہانیوں پر یقین کرونگا۔اتنا بے وقوف سمجھتی ہو مجھے۔"

"صفدر۔" شاک کے مارے باقی کے الفاظ اس کے حلق میں ہی رہ گئے۔

"تمہاری گندی زبان سے اپنا نام سن کر کراہت محسوس ہو رہی ہے مجھے۔کوشش کرنا دینہ میرے سامنے کبھی مت آنا ورنہ تمہارے ناپاک وجود میں گولیاں اتار کر میں کہیں اللہ کا مجرم نہ بن جاؤں۔"

"آپ میری بات پر یقین کیوں نہیں کر رہے۔میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں مجرم نہیں ہوں۔"

"جس لڑکے کے ساتھ تم اپنی مرضی سے گئی تھی اس نے دل بھر جانے کے بعد فارغ کر دیا ہوگا۔" صفدر کی آواز میں سفاکی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ "میں نفرت کرتا ہوں تم سے۔تمہارے تصور سے بھی کراہت آتی ہے مجھے۔تم اگر سونے کی بن کے بھی آجاؤ ناں دینہ ولی تو تم پر دوسری نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہ کروں۔اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں غلاظت کے ڈھیر کو پھر سے اپنے گھر کی زینت بنانے کے لیے رضامند ہو جاؤں گا تو بس ایک بات یاد رکھنا جس دن میرے سامنے آئی میں تمہیں گولی مار دونگا۔"

"آپ کا بھائی مجرم ہے۔"

"بند کرو بکواس اپنی اور اگر جس کے ساتھ بھاگی تھی اس کا جی بھر گیا ہو ناں تو کوٹھے پر بیٹھ جاؤ مگر مجھے دوبارہ

فون مت کرنا۔" صفدر نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور اپنی بات مکمل ہوتے ہی فون بند کر دیا۔

دینہ نے شاک کے سے عالم میں فون بھابھی کی طرف بڑھایا۔ اس کی آنکھوں میں درد ہی درد تھا۔

قاسم نے اسے اسلام آباد ایئر پورٹ چھوڑ دیا۔ دینہ کا گھبراہٹ سے برا حال تھا۔ وہ تو کبھی اکیلی گھر سے کالج تک نہیں گئی تھی اور زندگی نے اسے ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جہاں وہ اکیلی ایک انجان شہر جا رہی تھی۔ جہاں کے وہ صرف نام سے واقف تھی۔ جہاز میں بیٹھے ہوئے اس کی زندگی کسی فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے چل رہی تھی۔ زندگی نے ایک ہی جھٹکے میں اسے کس طرح سے عرش سے فرش پر پھینکا تھا کہ وہ ٹوٹ کے ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔ جہاز کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بھابھی کی آواز اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔

بھابھی نے فون اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں ہر طرح کی جان کاری تھی۔ ان نظروں میں کوئی طنز نہیں تھا کہ دیکھ لو وہی ہوا جس کے لیے خبردار کیا تھا مگر پھر بھی دینہ نے اپنے دل کی تسلی کے لیے کہا۔ "وہ ابھی غصے میں ہیں جب ان کا غصہ اترے گا تو وہ سمجھ جائیں گے۔"

"یہ غصہ اب کبھی نہیں اترے گا۔"

"آپ کو کیسے پتا؟"

"کیونکہ یہ سب بھگت چکی ہوں میں۔ بس فرق اتنا ہے کہ میں محبت کی قصوروار تھی اور تم نہیں ہو۔ سکندر کی منگیتر تھی اور دانیال سے محبت کرتی تھی۔ اس کے لیے میں گھر تو کیا دنیا بھی چھوڑ سکتی تھی۔ مگر جب میں اس کے لیے سب چھوڑ کر گئی تو میرے سر پر عزت کی چادر پہنا کر اس نے مجھے واپس جانے کا کہا۔ وہ میری عزت کی قیمت پر محبت نہیں نبھانا چاہتا تھا۔ میں شاید وہ چادر اوڑھے لوٹ بھی جاتی مگر سکندر وہاں آن پہنچے۔ جب میری طرف پستول تان کر انہوں نے گولی چلانی چاہی تو انہیں معلوم ہوا کہ اپنے پستول کی تو ساری گولیاں وہ دانیال کے سینے میں اتار چکے ہیں۔ کاش اس دن کوئی ایک عدد گولی بچ گئی ہوتی جو سکندر میرے دل کے بھی پار کر دیتے۔ اگر اس روز مر جاتی تو روز روز کے اس جینے مرنے سے تو بچ جاتی۔ میری محبت کا دم بھرنے والے سکندر کا دل مجھ سے ایسا اٹھا کہ اگر ان کے پاؤں میں میرے باپ کی پگڑی نہ رکھی ہوتی تو وہ کبھی مجھ سے شادی نہیں کرتے لیکن انہیں مجھ سے اتنی کراہت آتی ہے کہ وہ مجھے چھونا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کا غصہ کبھی ختم نہیں ہوا۔ ان کی نفرت

میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔اس لیے دل سے یہ امید نوچ کر نکال دو کہ صفدر کا غصہ کبھی کم ہوگا یا اس کی نفرت میں کبھی بھی کمی آئے گی۔ایسا نہیں ہوگا میری جان۔تم چلی جاؤ اور واپس کبھی مت لوٹنا۔" انہوں نے چابی اور گھر کے کاغذات اس کے ہاتھ میں تھمائے۔

"اپنے لیے سالوں سے راہ نجات ڈھونڈ رہی تھی لیکن یہ راستہ تمہارے نصیب میں ہے۔تمہیں اس گھر میں کبھی کوئی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔" انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسا دیا اور مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔"اور یاد رکھنا زندگی یہاں ختم نہیں ہوتی۔اپنے سارے درد یہیں چھوڑ جاؤ اور وہاں اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔تم اپنے خواب پورے کرنے کے لیے آزاد ہو۔بڑے بڑے خواب دیکھو اور ان کی تعبیر کے لیے تمہارے راستے میں کوئی سکندر، کوئی صفدر نہیں ہوگا۔وقت لگے گا لیکن تم سنبھل جاؤ گی، دل سے درد اپنے نقش کم کر دے گا اور تمہارا یہ دل پھر سے دھڑکے گا۔زندگی ہر روز ایک نیا موقع دے گی اسے تھامتے جانا بس کبھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھنا۔جاؤ میری جان۔" بھابھی نے اسے رخصت کر دیا اور وہ زندگی کے اس بھنور سے گھبرائی بھی، ڈری بھی، روئی بھی، بھاگی بھی، گری بھی اور ٹوٹی بھی لیکن زندگی نے اسے ڈٹ کے مقابلہ کرنا سکھا ہی دیا۔وہ پلٹ کر نہیں دیکھتی تھی مگر یادیں پلٹنے کی محتاج نہیں تو نہیں ہوا کرتیں۔

☆......☆......☆

ہر رات بستر میں لیٹ کر صفدر خود کو یہ یقین دلاتا تھا کہ دینہ شادی والے دن اس کی عزت روندتی ہوئی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی ہے اور ہر رات دل یہ تجسیں دیتا کہ اگر اس کی بات سن لی ہوتی تو شاید وہ بے قصور نکلتی۔

اگر وہ بے قصور بھی تھی تو بھی نا قابل قبول تھی۔اس کمرے کی حالت چیخ چیخ کر گواہی دے رہی تھی کہ وہ بے قصور ہو سکتی ہے پاک نہیں اور وہ ایک ناپاک عورت کو کیسے اپنے دل میں جگہ دے سکتا تھا لیکن پھر دل اڑ کے بیٹھ جاتا کہ اس نے دل سے اپنی جگہ خالی ہی کب کی تھی کہ اسے جگہ کی تلاش ہو۔کبھی اس کی بھیگی آنکھیں نظروں کے سامنے گھومتی اور کبھی اس کا مسکراتا چہرہ، کبھی اس کی شرارتیں اور کبھی اس کا شرمانا۔صفدر بے چین سا ہو کر اپنے کمرے سے نکل گیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی قدم خود بخود عالیان کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

فیاض اسے ملک سے باہر بھجوا چکے تھے لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔عالیان بضد تھا کہ وہ کہیں نہیں جائے گا۔

اس کا چپ کا روزہ صرف یہی کہنے کے لیے ٹوٹتا تھا کہ وہ کہیں نہیں جائے گا۔ لیکن فیاض نے زور زبردستی کر کے اسے بھجوادیا۔

عالیان کے کمرے میں ہر چیز صفائی سے اپنی جگہ موجود تھی۔ صفدر نے غیر ارادی طور پر اس کے کمرے کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا ڈھونڈ رہا ہے پھر بھی کسی جنون کی طرح اس نے اس کے کمرے کی ہر دراز کھولی مگر اسے وہاں کچھ نہیں ملا۔ وہ تھک ہار کر بستر پر بیٹھ گیا۔ پھر یکدم کھلے دراز کے اندر اسے کوئی چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ دماغ نے بہت کہا کہ پلٹو اور بھاگ جاؤ، اسے مت چھو۔ اگر تمہارا بھائی واقعی مجرم نکل آیا تو دل پھٹ جائے گا لیکن اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ چمکتی ہوئی انگوٹھی اٹھائی اور اس کی دنیا آندھیوں کی زد میں آ گئی۔

یہ وہی انگوٹھی تھی جو اس نے دینہ کو لے کر دی تھی اس پر خون کے دھبے تھے۔ صفدر کی تو پوری دنیا ہی اس کے قدموں میں آ گری۔ وہ شاک کے عالم میں اپنے سگے بھائی کے بستر پر بیٹھا اپنی ہونے والی بیوی کی خون زدہ انگوٹھی کو دیکھتا رہا۔

"آپ کا بھائی مجرم ہے۔" دینہ کی آواز اس کے کان میں گونجی۔ انگوٹھی اس کی انگلیوں سے چھوٹتی فرش پر جا گری۔ "میں نہیں بھاگی۔ میں قصوروار نہیں ہوں" آواز بلند سے بلند ہوتی جا رہی تھی۔ "اگر آپ میری بات سن لیں گے تو آپ کو میری بات کا یقین آ جائے گا۔"

لیکن اس نے اس کی بات پر یقین کرنا تو دور کی بات اسے سننا بھی گوارا نہیں کیا۔ اپنی محبت کو کوٹھے پر بیٹھنے کا مشورہ کون سا غیرت مند مرد دیتا ہے۔ ضمیر نے ایسا جھنجوڑا کہ وہ بیٹھا نہیں رہ سکا۔ ایک طوفان تھا جس نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

فیاض لاؤنج میں بیٹھے تھے جب صفدر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اسے دیکھ کر انہیں لگا جیسے وہ ایک طویل جنگ لڑ کر آیا ہو لیکن ہار اس کا مقدر ٹھہری ہو۔

"آپ نے میری شادی اتنی اچانک اور جلدی کیوں رکھی تھی؟"

"تاکہ بہو گھر آ جائے" فیاض نے خود کو سنبھالا۔ اس کی حالت سے وہ جان گئے تھے کہ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

"جلدی کس چیز کی تھی؟"

"یہ کیا اوٹ پٹانگ سوال کر رہے ہو؟"

"آپ نے عالیان کو ملک سے باہر کیوں بھجوایا ہے؟"

"تا کہ اس کا علاج ہو سکے اس نشے کی لت نے تو اس کی مت ہی ماردی ہے۔"

"کہاں گیا ہے وہ؟"

"دبئی۔"

"جھوٹ۔" صفدر لرزا دینے والے آواز میں چیخا تو فیاض بے اختیار ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "آسٹریلیا گیا ہے وہ" صفدر نے اس کے ٹکٹ کی کاپی ان کی طرف پھینکی۔ "کس سے چھپا رہے ہیں اسے اور کیوں چھپا رہے ہیں اسے؟"

فیاض فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکے۔

"بولیں، جواب چاہیے مجھے۔"

"تم کہنا کیا چا رہے ہو صاف صاف بات کرو۔"

"آپ جانتے تھے۔ آپ سب جانتے تھے۔" صفدر نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو جھٹکا۔ "آپ عالیان کی ہر حرکت سے واقف تھے اور آپ نے اسے میری عزت پر ہاتھ ڈالنے دیا۔" دکھ تھا کہ اس کی کوئی حد نہ تھی۔ اتنا تو صفدر تب بھی نہیں ٹوٹا تھا جب اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ دینہ کسی کے ساتھ چلی گئی ہے۔

"مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو کیا میں یہ سب ہونے دیتا؟" فیاض نے تحمل سے اسے سمجھایا۔

"یہ سب ہونے سے روکنے کے لیے ہی تو آپ نے آناً فاناً شادی کا انتظام کیا تھا۔ مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"مجھے لگا میں نے سب کچھ سنبھال لیا ہے۔"

"وہ میری دلہن کو اٹھا کر لے گیا اور آپ کو لگا آپ نے سب سنبھال لیا ہے۔ اتنے ناسمجھ تو آپ کبھی نہیں تھے ابا۔"

"مجھ پر شک مت کرو بیٹا۔ معاملے کی نزاکت کو سمجھو۔"

"ابھی بھی معاملے کی نزاکت کو میں سمجھوں۔ وہ میری عزت تار تار کر گیا۔ مجھے زمانے میں اس نے رسوا کر دیا۔ میری محبت کو تباہ کر دیا۔ برباد کر دیا اس نے دینہ کو اور معاملے کی نزاکت کو میں سمجھوں؟"

"جو چکا ہے وہ ختم ہو گیا ہے صفدر۔ اب دبی راکھ کو مت کریدو۔"

"آپ نے اسے جانے دیا بلکہ بھگا دیا اور اس کے جرم کی سزا کے حقدار میں اور دینہ ٹھہرے، وہ آزاد ہے۔ میری زندگی تباہ و برباد ہو گئی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں جو ہو چکا وہ ختم ہو گیا ہے۔" صفدر ان سے دو قدم پیچھے ہٹا۔" ختم نہیں ہوا ابا۔ میں خود اپنے ہاتھوں سے ختم کروں گا۔"

"اپنے سگے بھائی کی جان لو گے تم؟"

"میرے سگے بھائی نے میری عزت لے لی میں جان بھی نہ لوں؟"

"اس کی نادانی تھی وہ۔ جذبات کا بہاؤ تھا۔ یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا اس نے۔ تم چپ ہو جاؤ صفدر ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے۔ کس منہ سے دنیا کو بتاؤ گے کہ تمہاری عزت پر ڈاکہ تمہارے اپنے سگے بھائی نے ڈالا ہے۔"

صفدر کے چہرے سے اڑتا رنگ اس بات کی گواہی تھا کہ وہ دنیا کے سامنے یہ کہنے کا حوصلہ نہیں رکھتا کہ اس کی عزت خود اس کے سگے بھائی کے ہاتھوں رسوا ہوئی ہے۔

"جو ذلت ہمارے نصیب میں تھی وہ تو اب ہم بھگت چکے ہیں لیکن میرے سر میں مزید خاک مت ڈالو۔ اس نے تو رسوا کر دیا ہے اب رہی سہی عزت تم روند ڈالو گے تو کیا رہ جائے گا میرے پاس؟" فیاض نے اپنے خالی ہاتھوں کی طرف دیکھا اور خالی خالی نظروں سے انہوں نے اپنے بیٹے سے التجا کی۔" بیٹی نے میرا جو سر جھکایا تھا وہ بیٹے نے اٹھنے نہیں دیا اب تم نے بھی مجھے رسوا کر دیا تو پگڑی پہننے کی بھی ہمت نہیں رہے گی میری اور اب میں کسی اور آزمائش کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میری اور اپنی عزت کی خاطر بس خاموش ہو جاؤ۔ سب ہاتھ سے نکل گیا ہے اب ذلت کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

صفدر نے اپنے باپ کے جڑے ہاتھوں اور جھکے سر کی طرف دیکھا تو بے بسی کی حد کو چھوتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ خود کو تحمل کے درس دیتے دیتے وہ ایسا چیخا، ایسا دھاڑا کہ گویا قیامت برپا ہو گئی ہو۔ اپنے ہاتھ میں آتی

ہر چیز کو اس نے کرچی کرچی کر ڈالا۔اس کا بس چلتا تو وہ پوری دنیا کو تباہ کر دیتا۔

☆......☆......☆

تیز گرجتی بارش کو دینہ لاونج کی بڑی سے کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔کسی زمانے میں بارش خوشی کی نوید لاتی تھی مگر اب اس سے کوئی بھی جذبات نہیں جڑے ہوئے تھے۔اس نے میز کی طرف نظر دوڑائی۔آج اسامہ کی سالگرہ تھی۔اس نے اس کے پسندیدہ کھانے بنانے کے ساتھ ساتھ کیک بھی بنایا تھا مگر گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔اس نے فون کرنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔دینہ نے نوٹ لکھنے کے لیے کاغذ اور قلم اٹھایا۔شکوے کا حق نہیں تھا اس کا اس لیے صرف ہیپی برتھ ڈے لکھ کر اس نے نوٹ میز پر چھوڑ دیا اور سونے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اسامہ گھر میں داخل ہوا تو اسے خنکی کا احساس ہوا۔لاونج کا اے سی چل رہا تھا۔اس کی نظر میز پر گئی تو وہ حیرت سے میز کی طرف بڑھا۔دینہ ذمہ داری سے کھانا فریج میں رکھ دیتی تھی کہ کہیں خراب نہ ہو جائے۔

"شاید بھول گئی۔" یہ سوچ کر اسامہ کھانے کے طرف بڑھا تاکہ فریج میں رکھ دے۔میز پر کھانے کے ساتھ کیک اور نوٹ دیکھ کر اس کے دل میں کسک سی پھیل گئی۔وہ کام کے بعد دوستوں میں بھول ہی گیا تھا کہ دینہ اس کا انتظار کر رہی ہو گی۔اس نے تو فون تک نہیں کیا تھا۔دل میں بڑھتے ہوئے پچھتاوے کے ساتھ اس نے کھانا اور کیک اٹھا کر فریج میں رکھ دیا اور نوٹ اٹھا کر اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا۔

اگلی صبح اس نے دینہ کو کام کرتے دیکھا تو انتہائی دکھی انداز میں بولا۔"ہیپی برتھ ڈے اسامہ۔تجھے تو کسی نے منہ بھی نہیں لگایا۔"

دینہ یہ سن کر غضبناک انداز میں اس کی طرف گھومی۔

"انسان اگر انتہائی بے ہودہ ہو نہ تو اسے کم سے کم اوور ایکٹنگ نہیں کرنی چاہیے۔"

"ایکٹنگ تو بہترین آتی ہے مجھے۔فلم آفر ہوئی ہے۔"

"فلم میں تم یقیناً جہنم کے داروغہ ہو گے۔ہے ناں؟" دینہ نے اپنے دونوں ہاتھ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر رکھے۔

"نہیں یار ہیرو کا رول ہے۔" اسامہ نے اپنی ہنسی چھپائی۔

"فلم کے آخر میں معلوم ہوگا کہ تم دراصل ولن تھے۔" دینہ نے اس کی طرف کمر کی۔

"اب اگر غصہ اس بات پر ہے کہ میں کل دیر سے آیا تھا تو سیدھے سے کہو یہ کیا گھما پھرا کر طعنے کیوں دے رہی ہو۔"

"طعنے اگر دینے ہونگے تو ڈنکے کی چوٹ پر دونگی۔ ڈرتی ہوں تم سے کیا؟" دینہ ہاتھ میں لکڑی کا چمچہ گھماتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو وہ بے اختیار ہنستے ہوئے پیچھے ہٹا۔

"یار سہیلیوں نے روک لیا تھا کیا کرتا۔"

"سہیلیوں کے روکنے پر رک جانے پر شرم سے چلو بھر پانی ڈھونڈ کر اس میں ڈوب مرتے اور کیا کرتے۔" دینہ کے طنز پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"قسم سے اگر تم تھوڑی سی بھی خوبصورت ہوتی تو میں تمہیں دل دے بیٹھتا مگر اللہ کو میری بھلائی عزیز تھی کہ حسن بٹنے سے پہلے ہی تمہیں دنیا میں اتار دیا۔"

"حسن بٹتے وقت تو تم بھی کوئی سستا نشہ کر کے سوئے ہوئے تھے جب ہی رومینس کی کوشش کرتے ہو تو اتنے بھیانک لگتے ہو کہ دل ہول جاتا ہے۔"

"اب یہ تو سچ نہیں ہے۔ یقین نہ آئے تو میرا سوشل میڈیا اکاؤنٹ کھول کے دیکھ لو۔ لڑکیوں کی آنکھ کا تارا ہوں میں۔"

"آنکھ میں موتیا اترا ہوا ہو تو تم تارا تو کیا سورج بھی لگ سکتے ہو۔" دینہ کو بھی بالآخر ہنسی آ گئی۔

"اچھا فضول باتیں چھوڑو۔ ناشتہ دو میرا۔"

"لو۔" دینہ نے اس کے ہاتھ میں پلیٹ مارنے کے لیے تھمائی اور ملک شیک اس طرح میز پر پٹخا کہ وہ میز پر چھلک پڑا۔

"کیا ہوگیا ہے یار؟" اسامہ نے اسے گھورا۔

"جتنا کرایہ دیتے ہو ناں اس لحاظ سے یہ رویہ بالکل مناسب ہے۔"

"اچھا، تو کل کے کھانے اور کیک کی قیمت کرائے میں شامل تھی کیا؟" اسامہ اس کے قریب آیا۔

"کب تک میرا انتظار کیا تھا؟" اس کی آواز خود بخود ہی دھیمی ہو گئی۔

"یار، میں اپنی ایک کہانی میں الجھی ہوئی ہوں۔ دماغ بالکل خالی ہو گیا ہے کچھ لکھا ہی نہیں جا رہا تھا تو میں نے سوچا کچھ پکا ہی دیتی ہوں پھر بارش شروع ہو گئی تو مجھے نیند ہی نہیں آئی۔ تم کہاں رہ گئے تھے۔ بارش دیکھ کے تو مجھے لگا اب تمہیں آبدوز میں ہی آنا پڑے گا۔"

"ہاں، بارش تو بہت تیز تھی اور کراچی کی سڑکیں سمندر کا روپ پیش کرنے میں دیر بھی نہیں لگاتیں۔" اسامہ نے نوٹ کیا کہ اس نے کس خوبصورتی سے اس کا سوال گھمایا ہے۔ وہ رائٹر تھی تو اسامہ بھی ایکٹر تھا۔ حقیقی جذبوں کو ایکٹنگ سے الگ کرنا خوب جانتا تھا۔

"بتاؤ، تمہیں کس فلم کی آفر ہوئی ہے؟" دینہ اپنی چائے لے کر میز پر آ گئی۔ اسامہ بھی بیٹھ گیا۔

وہ کافی دیر اسے اپنی فلم کی تفصیلات بتاتا رہا۔ دینہ مکمل دلچسپی سے سنتی رہی اور اسے مشورے دیتی رہی۔

اسامہ ناشتہ کر کے اٹھ گیا اور دینہ کو یہ بتاتے ہوئے گھر سے نکل گیا کہ اسے گھر آنے میں دیر ہو جائے گی۔

دینہ دن میں جو اپنے کمرے میں گئی تو رات کا ایک پہر نکال کر ہی باہر آئی۔ اس نے کچھ حیرت سے رک کر محسوس کیا کہ گھر پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ وہ تجسس کے مارے لاؤنج کی طرف بڑھی تو ششدر سی اپنی جگہ رک گئی۔ لاؤنج میں ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ میز پر کھانے کے بیچ موم بتیاں جل رہی تھیں۔ لاؤنج کے صرف لیمپ کی دھیمی سی روشنی میں اسامہ صوفے پر بیٹھا فون استعمال کر رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" دینہ کی آواز سن کر وہ چونکا۔ اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ، میں کھانا لایا تھا اب تو ٹھنڈا ہو گیا۔ گرم کرتا ہوں۔ تم بیٹھو۔" وہ میز کی طرف بڑھا۔

"اگر کھانا لائے تھے تو مجھے بلا لیتے۔"

"تم نے بھی تو نہیں بلایا تھا۔ انتظار کرتی رہی تھی تو میں نے سوچا میں بھی انتظار کر لیتا ہوں۔ دیکھتا تو ہوں انتظار کیسا ہوتا ہے؟"

"میں کوئی تم سے ناراض تھوڑی تھی اور میں نے تو کوئی ایسا خاص انتظام بھی نہیں کیا تھا۔" دینہ اس کے

قریب آئی۔

"کم سے کم خوش فہمی ہی رہنے دیتی کہ تم نے خاص انتظام کر کے میرا انتظار کیا تھا۔" اسامہ نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے لیے یہ خوش فہمی کافی نہیں ہے کہ تم حسین وجمیل ہونے کے ساتھ ساتھ سٹار بھی ہو۔" دینہ ہنسی تو اسامہ بھی ہنس پڑا۔

"دل توڑ کر کرچی کرچی کر دیا ہے میرا ظالما۔" اسامہ نے دل پر ہاتھ رکھ کر اوور ایکٹنگ کی تو دینہ ہنستی چلی گئی اور اسامہ کو اپنا آپ اس کی ہنسی میں کھوتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ نیا اور انوکھا سا احساس دل کو لبھانے سا لگا تھا۔ اسامہ نے اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں دیکھا اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر بولا۔

"تم بہت خوبصورت ہو"

پھولوں سے مہکتا ماحول، دھیمی روشنی، اسامہ کی گہری نظریں اور قربت دینہ کو نروس کرنے کے لیے کافی تھی لیکن وہ اس کے جذبات کو اگر سمجھ بھی جاتی تو اسے دل میں جگہ نہیں دے سکتی تھی۔ دل تو ابھی تک پرانے زخموں پر دکھ رہا تھا۔ نئے درد نہیں پال سکتا تھا اس لیے اس نے ماحول کی گرمی کو کم کرنے کے لیے مذاق کا سہارا لیا۔

"اگر شہریار سے رومینس کے لیسنس لے لیے ہوتے تو آج اتنے بھیانک نہ لگ رہے ہوتے۔" دینہ نے خود کو اس کے ہاتھوں سے آزاد کروایا۔ اسامہ اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کے دل میں جھانک رہا تھا اور وہ شاید اس کی غیر دلچسپی پر یقین کر ہی لیتا اگر اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ نہ دیکھ لیتا۔ اس نے اسکے کانپتے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے چاہے تاکہ اسے اپنے ساتھ کا سہارا دے سکے مگر درد میں ڈوبتی تیرتی ان آنکھوں میں انکار دیکھ کر رک گیا۔

دینہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنی پلکیں نہ گرائیں تو اسامہ کی آنکھوں میں جو جذبوں کا سمندر ہے وہ اس کے دل میں کہرام مچا دے گا اور زندگی میں ایک بار پھر وہیں آ کھڑی ہو گی جہاں سے چلی تھی اور درد کے اس سفر کی وہ ہمسفر نہیں بننا چاہتی تھی کیونکہ یہ سفر وہ پھر سے نہیں طے کر سکتی تھی۔ اس بار ٹوٹتی تو خود بھی خود کو سمیٹ نہیں پاتی۔ پلکیں جھکا کر وہ دو قدم پیچھے ہٹی اور میز کی طرف مڑی۔ اسامہ نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی خاموش

آنکھوں میں اتنا درد تھا کہ وہ جاننا بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس غم کی وجہ دل کا ٹوٹنا ہے یا اعتبار کا کرچی کرچی ہونا۔

"میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" دینہ نے خود کو چند لمحوں میں سنبھال لیا تھا۔ جب وہ بولی تو آواز میں ذرا بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔

"میں مدد کرتا ہوں۔" اسامہ تو اپنے جذبوں کو چھپانے کا ماہر تھا۔ دینہ نے کھانا مائیکرو ویو میں رکھا تو انتہائی سنجیدگی سے اسامہ کی طرف مڑی۔

"اسامہ، آج گلابو آئی تھی؟"

"کون گلابو؟" اسامہ اس کی بے تکی بات کا سیاق وسباق سمجھ نہیں پایا۔

"وہ رمضان صاحب کی ملازمہ۔"

"کون رمضان صاحب؟"

"وہ کونے والے اپارٹمنٹ والے، وہ موٹے سے بھدے سے انکل۔"

"تو؟" اسامہ اس کی سنجیدگی پر سنجیدہ ہو گیا۔ "کیا ہوا؟"

"وہ گلابو کہہ رہی تھی اس کی چھوٹی نند کی بڑی لڑکی تم پر مرتی ہے۔ تھوڑی سادی ہے بیچاری تو اب بندہ اسے کیا الزام دے۔" دینہ نے گہرا سانس بھرا۔ "کیا کہتے ہو چائے پر بلالیں؟"

اسامہ ایک دم ہی ہنس پڑا

"کیسی باتیں کرتی ہو۔" وہ ہنستے ہنستے بولا۔

"ہاں سچ کہہ رہی ہوں۔ محلے کی ساری کام والیاں تم پر مرتی ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے شک سا ہونے لگتا ہے کہ کہیں تم واقعی سٹار تو نہیں ہو۔"

اس کے چہرے پر مذاق کا دور دور تک نشان نہیں تھا۔ "میں تو تمہارا جھانسا دے کر مفت میں کام بھی کروا لیتی ہوں اور تو اور آنٹیاں بھی آئے دن بہانے بہانے سے آدھمکتی ہیں۔"

دینہ نے مائیکرو ویو سے کھانا نکالا اور دوسرا اندر رکھا۔

"سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں ناں سچ میں آنٹیاں آکر بہانے بہانے سے تمہارا پوچھتی ہیں۔ کچھ نہ کچھ کھانے کو بھی دے جاتی ہیں میرے تو مزے لگے ہوئے ہیں۔" اس نے ٹائمر سیٹ کیا۔

"نہیں وہ مفت میں کام کروانے والی بات؟" دینہ کو اسامہ کی شکی نگاہوں پر ہنسی آ گئی تو اسامہ ایک دم ریلکس ہوگیا۔

"پاگل۔" دینہ ہنستے ہنستے بولی۔

"ویسے تمہیں اندازہ ہے تم بہت بے ہودہ باتیں کرتی ہو؟" اسامہ نے کھانا میز کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" دینہ نے معصومیت سے سر ہلایا۔ دونوں ہنستے ہوئے میز پر بیٹھ گئے۔

رات کیسے بیت گئی پتا بھی نہیں چلا جب وہ دونوں باتیں کرتے تھے تو ان کے درمیان ایسی مفاہمت محسوس ہوتی تھی کہ لگتا تھا صدیوں سے ساتھ ہوں۔

☆......☆......☆

اسامہ تھکا ہارا گھر آتے ہی سونے چلا گیا۔ دینہ لاونج میں بیٹھی فلم دیکھ رہی تھی۔ اسامہ میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ دینہ کے ساتھ ہی بیٹھ جاتا۔ بستر پر لیٹتے ہی وہ سو گیا۔ اسے سوئے ابھی چند ہی گھنٹے گزرے تھے کہ اسے کسی نے دھیمی آواز میں پکارتے ہوئے جگایا۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا تو دینہ کا چہرہ خواب سا محسوس ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کرلے لیکن وہ مسلسل اسے جھٹکے دیتے ہوئے جگا رہی تھی۔ بالآخر بہت کوشش کے بعد اس نے پوری آنکھیں کھولیں۔

"کیا تکلیف ہے؟" وہ چیخا۔

"آہستہ بولو۔"

"کیوں تمہارا بھوت سن لے گا۔" پھر اسے اچانک خیال آیا کہ رات کے جانے کس پہر وہ اس کے کمرے میں اس کے بستر کے برابر اس پر جھکی کھڑی ہے۔ "اور رات میں ایک اکیلے جوان لڑکے کے کمرے میں کون آتا ہے؟"

"ڈاکو۔" دینہ نے آنکھیں گھمائیں۔

"ڈاکو؟" اسامہ نے اسے ناسمجھی میں دیکھا۔

"ہاں، ڈاکو آئے ہیں اس اکیلے جوان لڑکے سے ملنا پوچھے۔"

"ڈی، فالتو باتیں مت کرو، جاؤ یہاں سے مجھے بہت نیند آرہی ہے۔"

"اٹھو، اٹھ کر باہر دیکھو کون ہے؟"

"تمہاری وہ بدروح ہوگی اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔" اسامہ نے کروٹ بدلی۔

"اسامہ اٹھو ناں۔"

"تم اگر باہر جاکر کھڑی ہوگئی ناں تو یقین کرو ڈاکو تو کیا بدروحیں بھی ڈر کے بھاگ جائیں گی اور اگر نہیں جانا تو پھر دروازہ لاک کر کے اس کرسی پر سو جاؤ۔" دینہ نے پریشانی کے عالم میں اسامہ کی پیٹھ کو گھورا۔ اسی لمحے باہر سے کچھ گرنے کی آواز آئی تو اسامہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔

"سچ کہہ رہی ہو کہ باہر کوئی ہے؟" اس نے ابھی بھی دینہ کی طرف شکی انداز میں دیکھا۔ دینہ نے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ اسامہ فوراً بستر سے نکلا۔

"تم ادھر ہی رہو میں دیکھتا ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"مجھے بھی ساتھ جانا ہے۔" دینہ اس کے پیچھے ہولی۔

"بولا ناں ادھر ہی رکو۔" اسامہ جھنجلایا۔ "وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"تم کیا آئرن مین ہو کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" دینہ تیز آواز میں بولی۔

"تو پھر خود ہی دیکھ لیتی ناں مجھے کیوں کہا ہے؟" اسامہ کو غصہ آیا۔

"اچھا غصہ نہ کرو، چلو ناں۔" دینہ نے اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلا۔ آوازیں لاؤنج کی طرف سے آرہی تھیں تو اسامہ نے لاؤنج کا ہی رخ کیا۔

گھر میں گھپ اندھیرا تھا۔ اسامہ احتیاط سے چلتے ہوئے جب لاؤنج میں پہنچا تو ایک دم کسی نے ساری بتیاں جلا دیں اور لاؤنج "سرپرائز" کی زوردار آواز سے گونج گیا۔ اسامہ کے ہاتھ سے ریکٹ گر گیا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور پھر اس کی گھبراہٹ ایک دم غصے میں بدل گئی اور وہ غصے سے دینہ کی طرف پلٹا۔ دینہ ہنستے ہنستے

تیزی سے پیچھے ہٹی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے آڑھے ہاتھوں لیتا اس کے دوستوں نے اس کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ فلم کا کانٹریکٹ ہونے کی خوشی منانے آئے تھے۔

اسامہ کو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان سب کو کچا چبا جائے۔ جو بھی بات کرتا اسامہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا لیکن دوست بھی ایسے ڈھیٹ تھے کہ انہوں نے ذرا بھی برا نہیں منایا۔ انہوں نے اسامہ کے برے موڈ کی پرواہ کیے بغیر خوب پارٹی کی اور پھر خوب گند پھیلا کر رخصت لی۔ اسامہ ابھی بھی خطرناک موڈ میں تھا اس لیے دینہ کو لگا خیریت اسی میں ہے کہ اپنے کمرے میں پناہ لے لیکن اس سے پہلے کہ وہ بچ کے بھاگ جاتی اسامہ نے اسے پکڑ لیا۔

"کیا سمجھ رہی تھی بچ جاؤ گی مجھ سے؟" اسامہ کی آنکھوں میں دینہ نے اس سے پہلے کبھی اتنا غصہ نہیں دیکھا تھا۔

"دیکھو میرے ساتھ پر تشدد ہونے سے پہلے سوچ لینا میں مالک مکان ہوں۔"

"اچھا؟" وہ اس کی طرف بڑھا۔ دینہ فوراً ہی دو قدم پیچھے ہٹی۔ "کیا کرو گی؟"

"دیکھو اسامہ، یہ سب ایک مذاق تھا۔ سب تمہاری خوشی میں شریک ہونا چاہتے تھے۔" دینہ حقیقتاً اس سے ڈر گئی تھی لیکن اس نے بنا ظاہر کیے کہا۔ "مجھے لگا تمہیں سب اچھا لگے گا۔"

"لیکن مجھے اچھا نہیں لگا۔" اس نے اپنے سینے پر بازو باندھے اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرے کمرے میں رات کے آخری پہر جس حق سے آئی تھی وہ حق میں بھی استعمال کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے دینہ کی طرف قدم نہیں بڑھائے تھے لیکن دینہ اس کی آنکھوں میں جنون سا دیکھ کر گھبرائی۔ پانچ فٹ چوڑی گلی میں وہ اپنے اور اس کے بیچ صرف چند قدموں کا ہی فاصلہ ڈال پائی تھی جب پیچھے ہٹتے ہوئے اس کی کمر دیوار سے جا لگی۔ سینے میں دل کسی بے قابو گھوڑے کی طرح بھاگ رہا تھا اور دماغ آندھیوں کی زد میں تھا۔

"میں تمہیں سمجھاتا ہوں اکیلے لڑکے کے کمرے میں آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" اسامہ ایک قدم اس کی طرف بڑھا۔ دینہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا۔

"اسامہ، بس بہت ہو گیا میں کمرے میں جا رہی ہوں۔" خوف کسی جن کی طرح اس پر سایہ کیے کھڑا تھا۔

"ٹھیک ہے چلو پھر میرے کمرے میں۔ تمہیں بہت شوق ہے ناں میرے کمرے میں آنے کا۔" اسامہ نے بازو سے پکڑ کر اسے جانے سے روکا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اسامہ، جانے دو مجھے۔" دینہ نے کسی دیوانے کی مانند اپنا بازو اس کی فولادی گرفت سے آزاد کرانا چاہا لیکن ناکام رہی۔ ہر لمحہ گزرنے کے ساتھ اس کی دل کی دھڑکن بڑھ رہی تھی، سانسوں میں تیزی آرہی تھی اور خوف بڑھتا جارہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے تو رات کی تنہائی میں میرے کمرے میں آکر مجھے ڈاکوؤں سے ڈرانے سے پہلے سوچنا تو چاہیے کہ کچھ ہو بھی سکتا ہے اور خاص کر اگر وہ لڑکا ایکٹر ہو تو پھر تو تمہیں سمجھ ہی جانا چاہیے کہ وہ بدلہ ضرور لے گا"

دینہ فوری طور پر اس کی بات نہیں سمجھ پائی۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگ گئی تھیں۔ اسامہ مزید قریب ہوا تو دینہ نے بامشکل گھٹی ہوئی آواز میں اسے کہا۔

"مجھ سے دور رہو۔"

لیکن اسامہ نے اسے اپنی طرف کھینچا اور بولا۔ "بس نکل گئی پھونک۔"

اسامہ کی ہنسی پر دینہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ وہ مزید اپنی ٹانگوں پر کھڑی نہیں رہ سکی۔ دھیرے دھیرے فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

"مجھے ڈاکوؤں سے ڈرا کر سمجھ رہی تھی کہ میں تمہیں نہیں ڈراؤں گا۔" اسامہ ابھی تک ہنس رہا تھا۔ کچھ دیر ہنسنے کے بعد وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "اب اٹھو جاؤ۔ کمرے میں تمہاری بدروح تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا تم نے ایسا کیا ہے۔" دینہ کے چہرے کا رنگ ابھی بھی اڑا ہوا تھا۔

"یقین ہی تو کیا نہیں تم نے میرا۔" اسامہ نے گہری آواز میں کہا۔ "جس دن میرا یقین کر لیا اس دن اس بات کا یقین بھی کر لینا کہ تمہارا یقین کبھی نہیں توڑوں گا۔ تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن اس سے کہیں زیادہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ میں تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"میں نے یقین کو ٹوٹتے دیکھا ہے۔ تم پر یقین کر بھی لوں تو اس بات پر یقین نہیں کر سکتی کہ تم کبھی میرا یقین نہیں توڑو گے۔"

"میرے یقین کو آزمائے بغیر رد مت کرو۔" اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ "ہاتھ تھام کر دیکھو میں کبھی تمہارا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

دینہ نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اگرچہ تم ایک انتہائی بے ہودہ انسان ہو مگر آئندہ اپنے جیسے مذاق مت کرنا۔" دینہ نے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

"تم نے آج کہیں جانا نہیں ہے۔" اگلے دن جب اسامہ کہیں نہیں گیا تو دینہ نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

"باہر سڑکوں پر سیلاب آیا ہوا ہے اب میں ایسا بھی کام کے عشق میں اندھا نہیں ہوں کہ ڈبکیاں کھاتے ہوئے چلا جاؤں۔" اسامہ نے اس کی توجہ باہر تیز برستی بارش کی طرف کروائی۔

"چلے جاؤ یار۔ ایسی بھی کوئی حالت خراب نہیں ہے۔"

"تمہیں کیا مسئلہ ہے۔ تم کیوں مجھے بھیجنا چاہتی ہو؟"

"گھر رہو گے تو کام پر کام بتاؤ گے۔" دینہ نے حسب عادت اور حسب موقع منہ بنایا۔

"ہاں تو کرایہ دیتا ہوں کام تو کرنا پڑے گا۔ مطلب ہڈ حرامی کی بھی انتہا ہے پیسے پورے لے لو لیکن کام کے نام پر 'ہائے میں تھاں مرگئی آں'۔"

"اللہ، کس قدر راوور ایکٹنگ کرتے ہو۔ وقت نکال کر مر جاؤ تم بلکہ باہر جو سیلاب کا ریلہ ہے ناں اسی میں کسی کیڑے مکوڑے کی طرح بہہ جاؤ۔"

"مجھ سا شرافت کا پیکر پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں تو کہتا ہوں ہاتھ تھام لو۔ بھگا لے جاتا ہوں۔"

"تمہاری بھی انوکھی ہی کہانی ہے ایک طرف تو شرافت کا پیکر ہو اور دوسری طرف بھگانا چاہتے ہوں۔ پہلے اپنا دماغ بنا لو کہ آخر چاہتے کیا ہو؟"

"چاہتا تو تمہیں ہوں لیکن اگر تم پکوڑے بنا دو تو میں اس پر بھی خوش ہو جاؤں گا۔"

"بس ہو گئے ناں شروع۔" دینہ نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھے۔ "اسی لیے کہہ رہی تھی کہ ڈوبتے تیرتے چلے جاؤ، مگر چلے جاؤ۔"

"بنا دو ناں یار ایک ہی دن تو میں گھر ہوں۔ کیسی خرانٹ عورت ہو اتنے بڑے سٹار کے گھر ہونے پر خوش ہونے کے بجائے شکایتیں کر رہی ہو۔"

”تم نے تو گھر بیٹھ کر میرے لیے بڑی دودھ کی نہریں بہا دی ہیں کہ میں خوش ہو جاؤں۔“ دینہ باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی کیونکہ اندر سے تو پکوڑے کھانے کا دل اس کا بھی چاہ رہا تھا لیکن احسان تو اسی پر جتانا تھا۔

"وہیں کھڑے رہو گے کیا آ کر کافی بناؤ۔" کچھ دیر بعد دینہ نے لاؤنج کی کھڑکی کے سامنے کھڑے بارش کا نظارہ انجوائے کرتے اسامہ کو آواز دی۔

"اگر پکوڑے بنا سکتی ہو تو کافی بھی بنا سکتی تھی مگر نہیں تم تو جل کر جل ککڑی بن گئی ہو۔ انسان کے پاس حسن نہ ہو تو کم سے کم اچھا اخلاق ہی ہونا چاہیے۔" اسامہ نے کافی کے لیے پانی چڑھایا۔

"دیکھو تو بات کون کر رہا ہے۔"

”میری قدر تو تب آئے گی جب کوئی اور ہاتھ پکڑ کر لے جائے گی“ اسامہ کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ گھنٹی بج پڑی۔

"لو آ گئی کوئی تمہیں ہاتھ پکڑ کر لے جانے۔" دینہ ہنسی۔ "جاؤ دیکھو کون سی آنٹی آئی ہے تمہارا ہاتھ تھام کے تمہیں بھگانے۔"

"خود ہی جاؤ۔" اسامہ ٹس سے مس نہیں ہوا تو دینہ خود ہی دروازے کی طرف چلی گئی۔ دروازہ کھولا تو ماہ نور کو دیکھ کر حیران ہوئی لیکن ماہ نور اسے دیکھ کر اس سے زیادہ حیران تھی۔

"تم یہاں کیسے؟" ماہ نور نے دینہ سے پوچھا۔

"خیر پوچھنا تو یہ مجھے چاہیے۔ اندر آئیے۔" دینہ نے اسے اندر آنے کی جگہ دی۔ وہ دینہ کو حیرت سے دیکھتی اندر آ گئی۔ دینہ اسے کچن میں ہی لے گئی۔ اسامہ کڑاہی میں پکوڑے پلٹ رہا تھا۔ اس نے ان کی طرف کمر کیے ہوئے پوچھا۔

"کون ہے ڈی؟"

"لنگور کو لینے آئی حور۔" دینہ یہ کہہ کر کچن میں داخل ہو گئی۔ لیکن ماہ نور دروازے میں ہی کھڑی رہی۔

"کیا بول رہی ہو یار۔ تم بھی ناں کچھ بھی بو۔" یہ کہتے کہتے اس کی نظر دروازے کی طرف اٹھی تو وہ حیرت سے چونک گیا۔ "نور تم؟"

"تم دونوں باہر جا کر بیٹھو۔ میں کافی اور پکوڑے لاتی ہوں۔" دینہ نے اس کے ہاتھ سے چمچہ لیا۔

"آؤ بیٹھو، خیریت سے آنا ہوا۔" اسامہ نے باہر جانے کے بجائے اسے شائستگی سے کچن کے میز پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ ماہ نور جو اپنی جگہ جمی کھڑی تھی اس دعوت پر کچن کے اندر داخل ہوگئی۔ اسامہ کا کچن میں ہونا ہی ایک اچنبھے کی بات تھی اور اوپر سے وہ کس آسانی سے گرمی میں کھڑا کام بھی کر رہا تھا۔ نور نے ذہن پر زور دیا مگر اسے اتنی لمبی رفاقت کا ایک لمحہ بھی یاد نہیں آیا جب اسامہ نے کچن میں کوئی کام کیا ہو۔

"باہر لے کر جاؤ اسامہ۔ یہاں گرمی ہے۔ میں کافی دیکھ لیتی ہوں۔"

"نہیں میں یہیں تمہارے ساتھ رہوں گا اور نور بھی ٹھیک ہے ادھر۔" اسامہ کی بات پر دینہ نے اسے آنکھیں دکھائی لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"میں ٹھیک ہوں یہاں دینہ۔" نور نے کچھ پریشان کن انداز میں کہا۔

کچن میں عجیب سی خاموشی پھیل گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو کام کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ دونوں اس طرح پر سکون انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے جیسے ان کا آپس میں گہرا تال میل ہو۔ دینہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اتنی دفعہ اسے تنبیہہ کر چکی تھی مگر اسامہ نے خود سے کسی قسم کی گفتگو کا آغاز نہیں کیا۔ دینہ بخوبی دیکھ پا رہی تھی کہ ان کی خاموشی بھی گفتگو سے بھری ہے دونوں ساتھ ایسے لگ رہے تھے گویا گہری ہم آہنگی ہو۔

"لو جی پکوڑے تیار ہیں۔ اب آپ لوگ لاؤنج میں چلے جائیں۔" دینہ نے پکوڑوں کی پلیٹ اسامہ کے ہاتھ میں تھمائی اور اسے باہر کی طرف دھکیلا اسامہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تو اس نے اپنی پوری بتیسی کی نمائش کرتے ہوئے اس کی طرف پیٹھ کر لی۔

"میں کوئی مدد کر دوں۔" نور نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، تم آجاؤ۔" اسامہ نے اسے خود سے آگے چلنے کا موقع دیا اور اس کے کچن سے نکلتے ہی وہ دینہ سے مخاطب ہوا۔ "اور تم جلدی باہر آؤ۔"

"آتی ہوں یار۔ کھا نہیں جائے گی وہ تمہیں۔"

اسامہ نے نور کو بیٹھنے کے لیے کہا اور خود اس سے الٹے رخ پر رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کیسے آنا ہوا تمہارا اور یہاں کا پتہ کس نے دیا تمہیں؟" اس کے لہجے میں شائستگی رتی برابر بھی کم نہیں ہوئی

تھی۔

"ماہین سے لیا تھا۔ لگتا ہے تمہیں میرا آنا برا لگا ہے۔" دراصل تو اسے دینہ کو دیکھ کر صرف برا ہی نہیں جھٹکا بھی لگا تھا لیکن وہ اس احساس کو زبان نہیں دے سکتی تھی۔

"ہمارا کوئی ملنے ملانے والا تعلق نہیں ہے نور۔ مجھے تو تمہارے آنے پر تعجب ہوا۔"

"صرف حیرت ہوئی ہے تو پھر تو ٹھیک ہے لیکن اگر تمہیں برا لگا ہے تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"تم جیسی حسین لڑکی کو دیکھ کر کسی بے وقوف کو ہی برا لگ سکتا ہے اور ہمارا اسٹار تو بہت عقلمند ہے اسے بالکل برا نہیں لگا۔" ہاتھ میں ٹرے پکڑے دینہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو اس نے اسامہ کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اسامہ نے گھورا مگر وہ دینہ ہی کیا جس پر کسی کے گھورنے کا اثر ہو جائے۔

"تم اکثر آتی جاتی رہا کرو۔ اسامہ تو بہت مہمان نواز ہے بس سٹار ہے ناں تو کبھی کبھی بلاوجہ ہی ادائیں دکھانے لگتا ہے ورنہ سچ میں ایسا نہیں ہے۔" اس نے کافی کا مگ نور کے سامنے رکھا اور ٹرے جب اسامہ کے سامنے کی تو اس نے کافی کے دونوں مگ پکڑ لیے۔ دینہ نے اسے کچھ حیرت سے دیکھا۔ ٹرے میز پر رکھ کر وہ مڑی تو اسامہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔

"چپ کر کے بیٹھو۔" اسامہ نے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ دینہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ تو کھولا مگر اس کے چہرے پر بجے بارہ دیکھ کر بنا کچھ بولے ہی بند کر لیا۔

"تم بھی ادھر ہی رہتی ہو؟" نور نے کچھ حیرت سے دینہ سے پوچھا۔ پہلے تو دینہ کچھ بولی نہیں پھر جب اسامہ نے کہنی ماری تو اس نے اسامہ کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"بولوں؟" اسامہ کے گھورنے پر وہ ہنسی چھپاتے ہوئے نور کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں، ہم نے خفیہ شادی کر رکھی ہے تم کسی کو بتانا مت۔" دینہ نے کچھ ایسے کہا کہ کافی کا گھونٹ لیتے لیتے نور کو اچھو لگ گیا اور اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ حالت تو اسامہ کی کچھ ایسی ہی تھی۔ وہ تو اپنی جگہ ششدر ہی رہ گیا اور دینہ بناوٹی ہمدردی دکھاتے ہوئے کبھی نور کو ٹشو اور کبھی پانی پکڑاتی رہی۔

"دینہ!" اسامہ نے جھاڑنے کے سے انداز میں اس کا نام لیا۔

"کچھ نہیں ہوگا جان۔نور کسی کو نہیں بتائے گی۔" دینہ نے مکمل سنجیدگی سے کہا اور کھانستی ہوئی نور کی طرف مڑی۔"نہیں بتاؤ گی ناں؟"

اس کے سوال کا نور نے تو کوئی جواب نہیں دیا البتہ اسامہ کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

کچھ دیر بعد جب نور کی کھانسی رکی تو اٹھ کھڑی ہوئی اور دینہ کے ہزار کہنے پر بھی نہیں رکی۔اس کے جانے کے بعد دینہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہنستے ہنستے وہ مڑی تو اسامہ جس خوفناک انداز میں اسے گھور رہا تھا اسے دیکھتے ہی اس کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔

"میں بتادوں گی اسے کہ میں مذاق کر رہی تھی" دینہ نے معاملہ سنبھالنا چاہا لیکن اسامہ نے گھورنا بند نہیں کیا

"سوری کرلوں گی۔" دینہ نے معصوم شکل بنائی۔

"منع کیا تھا تمہیں لیکن تم میری کوئی بات نہیں مانتی ہو۔" اسامہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مانی تو تھی پکوڑے بنا کر دیئے تھے ناں۔" دینہ کی معصوم شکل میں ذرا بھی معصومیت نہیں تھی اور یہ بات اسامہ اچھے سے جانتا تھا۔"اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ یہ نور تمہیں پسند کرتی ہے ناں؟" وہ شوق سے اس کے برابر بیٹھی۔

"میں رات تک اپنا ہاتھ تمہاری طرف بڑھائے ہوئے تھا صبح کیا نور کی طرف پلٹ جاؤں گا؟"

"رات گئی بات گئی اسے چھوڑو۔یار یہ تو بہت خوبصورت ہے تمہارے تو کیا واہ واہ چرچے ہوں گے۔تم دونوں چاند سورج کی جوڑی لگو گے۔" دینہ کا لہجہ اتنا پرشوق تھا کہ اسامہ اسے بس دیکھے گیا۔

"کیا تمہیں میرے جذبات کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے ڈی؟" اسامہ کا لہجہ شکست خوردہ سا تھا۔

"اسامہ، چھوڑو اب یہ مذاق کی باتیں۔میں سنجیدہ ہوں۔" دینہ کے سارے شوق پر پانی پھر گیا۔

"میں بھی تمہارے لیے سنجیدہ ہوں۔" وہ اس کی طرف گھوما۔"کیوں نہیں سمجھ رہی ہو۔" پھر کچھ دیر کے تفکر کے بعد بولا۔"سمجھ نہیں رہی ہو یا سمجھنا نہیں چاہتی ہو؟"

اس سے پہلے کہ دینہ اسے کوئی جواب دیتی، اسامہ کا فون بجا اس نے جیب سے فون نکالا تو دینہ کی طرف گھما کر دکھایا۔

"لو آ گیا ممی کا فون۔لگادی ہے تمہاری حور نے شکایت۔"

اس بات پر تو دینہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔اسامہ کے ہیلو کہنے کی دیر تھی ممی تو کسی تیز رفتار ٹرک کی طرح اسامہ پر چڑھ دوڑیں۔

"یار ممی حوصلہ کریں۔نہیں کی ہے ہم نے کوئی خفیہ شادی۔بس ڈی کی زبان کے آگے نہ خندق ہے۔بولتی جاتی ہے سوچتی تو ہے ہی نہیں۔"

اسامہ کی بات سن کر دینہ کا دل چاہا کہ سائنس کی رو سے ثابت کرے کہ زبان کے آگے خندق ہونا ممکن ہے مگر زبان کو دانتوں تلے دبائے وہ چپ رہی۔

"آپ کو بتایا تھا میں نے ڈی کی حرکتوں کے بارے میں پھر بھی آپ نے اپنی چہیتی کا یقین کرلیا۔"

دینہ نے کچھ حیرت سے سوچا کہ اسامہ نے اپنی ممی کو اس کی کن حرکتوں کے بارے میں بتایا ہے۔

"یار ممی، شادی کے لیے کسی لڑکی کا ہونا بھی تو ضروری ہے ناں۔آپ فکر نہ کریں آپ کو شادی میں شرکت کی دعوت دے بغیر شادی نہیں کرونگا۔اب اپنی اس چمگادڑ کو سمجھا دیں میرے گھر دوبارہ نہ آئے۔جب بھی زندگی میں آتی ہے سب الٹا پلٹا ہو جاتا ہے۔"

"کون سی حرکتیں؟" دینہ نے فون بند ہوتے ہی لڑاکے انداز میں پوچھا۔

"تم اگر اس وقت مجھ سے نہ ہی لڑو تو وہ تمہارے اپنے لیے اچھا ہوگا۔" اسامہ یہ کہہ کر لاؤنج سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

"تم کہیں جا رہے ہو؟" کچھ دن بعد دینہ نے اسامہ کو سامان پیک کرتے دیکھا تو حیرت سے پوچھا۔

"ہاں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ممی کی طبیعت کچھ خراب ہے۔وہ مجھے بہت یاد کر رہی ہیں۔"

"کیا ہو گیا انہیں؟ کہیں میرے اس بے ہودہ مذاق کی وجہ سے تو انہیں ٹینشن نہیں ہو گئی۔اف، میں اتنی سٹوپڈ ہوں کچھ بھی بول دیتی ہوں۔تم ایسا کرو میری ان سے بات کروادو۔میں انہیں سمجھاتی ہوں کہ میں صرف مذاق کر رہی تھی وہ سمجھ جائیں گی۔میں سوری بھی کرلوں گی یار۔" دینہ کا لہجہ اتنا پریشان کن تھا کہ اسامہ کپڑے بیگ میں ڈالتے ڈالتے رک گیا اور اس کی طرف دیکھ کر لاپرواہی سے بولا۔

"کوئی سین نہیں ہے تم اتنی اہم نہیں ہو۔"

"بے ہودہ آدمی۔" دینہ نے غصے سے کہا۔ "آنٹی کو میری طرف سے بہت پوچھنا۔ میں ان کے لیے دعا کروں گی۔"

"تھینک یو۔" اسامہ نے بیگ کی زپ بند کی اور اسے بستر سے اتار کر فرش پر رکھا۔ "تم اکیلے گھبراؤ گی تو نہیں ناں؟" اس کے لہجے میں پریشانی نمایاں تھی۔

"نہیں، تم واپس کب آؤ گے؟"

"پتا نہیں ایک دو ہفتے بعد شاید۔"

"ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔ میری کوئی مدد چاہیے ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں میں نے سب کر لیا ہے۔ تم دروازے اچھے سے بند رکھنا۔" وہ سائیڈ ٹیبل کی طرف مڑا اور ایک چٹ اٹھا کر اسے دی۔ "یہ میرے دوست کا نمبر ہے۔ یہ ایس پی ہے۔ اسے میں نے تمہارا نمبر دے دیا ہے اگر کوئی بھی مسئلہ ہو، بھلے دن ہو یا رات بلا جھجک اسے فون کر سکتی ہو۔"

دینہ نے اس کے ہاتھ سے چٹ پکڑ کر سر اثبات میں ہلایا۔

"اور ہاں۔" اسامہ کو اچانک کچھ یاد آیا۔ "الارم کلاک اگر بجے تو اس کے پیچھے ایک بٹن ہوتا ہے وہ دباؤ تو وہ بند ہو جاتا ہے۔ اسے بند کرنے کے لیے ایس پی کو نہ بلا لینا۔"

اسامہ کی بات پر دینہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

اسامہ اپنا سامان لے کر نکلا تو دینہ بھی پیچھے پیچھے گئی تاکہ دروازہ بند کر لے۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اسامہ رکا اور اس کی طرف مڑا۔

"پلیز اپنا خیال رکھنا۔ دروازہ بنا دیکھے مت کھولنا، سونے سے پہلے سارے دروازے کھڑکیاں چیک کر لینا اور میرے ساتھ رابطے میں رہنا۔ کسی قسم کا کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے فوراً فون کرنا اور خیال رکھنا کسی کے لیے دروازہ مت کھول دینا۔ ٹھیک ہے ناں؟"

"ٹھیک ہے بابا۔ تم بھی اپنا خیال رکھنا۔ آنٹی کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اور ہاں پہنچ کر مجھے بتا دینا۔"

اسامہ چلا گیا تو گھر میں ایک دم ویرانی سی پھیل گئی۔ دینہ خالی گھر میں بوکھلائی بوکھلائی پھرتی تھی۔ کسی چیز

میں دل نہیں لگتا تھا۔ نہ لکھنے میں، نہ فلم دیکھنے میں، نہ پکانے میں اور نہ ہی کھانے میں۔ دینہ اپنی اس حالت سے خود ہی گھبرا گئی۔ ایسی بے چینی تو دل میں صرف تب تھی جب وہ نئی نئی کراچی آئی تھی۔ ہر لمحے کچھ ہو جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا لیکن اس دفعہ تو کچھ کھو جانے کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

اسامہ کسی قدر بے سکونی سے لان کے چکر لگا رہا تھا۔ ممی نے کھڑکی سے اسے تیسرا سگریٹ سلگاتے دیکھا تو باہر آ گئیں۔ چند لمحے پہلے ہی اسامہ نے دینہ سے بات کی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک تھی پھر بھی دل اس کے حوالے سے اتنا پریشان تھا کہ بس نہیں چل رہا تھا کہ کب اس کے پاس واپس چلا جائے۔

"کیا نام ہے اس کا؟" ممی کی آواز سنتے ہی اسامہ نے کچھ شرمندہ سا ہو کر سگریٹ بجھا دیا۔

"کس کا؟" وہ انجان بنتے ہوئے ممی کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جس کے غم میں دل جلے بن کر تم سگریٹ پر سگریٹ سلگا رہے ہو۔" ممی نے اس پر جانچتی نظریں ڈالیں

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ممی۔ بس ڈی کے لیے فکرمند ہو رہا تھا۔ وہ اکیلی ہے ناں۔ اوپر سے اتنی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی ہے کہ بس ڈر ہی لگا رہتا ہے کب کچھ غلط کر جائے۔" اس نے ان کی تسلی کے لیے وضاحت پیش کی۔

"بڑی ہو گئی ہے یقیناً اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔"

"نہیں آپ کو نہیں پتا۔" اسامہ کرسی پر آگے جھکا۔ "وہ بالکل اپنا خیال نہیں رکھتی ہے۔ جب لکھنے بیٹھتی ہے تو بس بھوکی پیاسی بیٹھی رہتی ہے۔ اسے اپنا کوئی ہوش ہی نہیں رہتا۔ اوپر سے پوری بلڈنگ میں سب سے گپیں لگاتی ہے۔ اس کی زبان تو ایسی ہے کہ بس ایک بار کھل جائے تو بند ہونے کا نام نہیں لیتی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں میں شروع شروع میں کیسے اس دھوکے میں آ گیا کہ وہ کم گو ہے۔ کھانا بھی صرف میری وجہ سے بناتی تھی ورنہ شاید وہ بھی نہ بناتی۔"

"وہ تمہاری دوست تھی ناں ماہین۔" ممی کے کہنے پر اسامہ نے انہیں مکمل سنجیدگی سے دیکھا۔ "وہ بھی تو اکیلی رہتی ہے اسے دن میں کتنی دفعہ فون کر کے پوچھتے ہو؟" ممی نے پوچھا تو مکمل سنجیدگی سے تھا مگر ان کا انگ

انگ مسکرا رہا تھا۔

"نہیں ممی، وہ میں دینہ کے ساتھ رہتا ہوں ناں تو اس لیے اور کوئی بات نہیں ہے۔" اسامہ شرمندہ سا ہو کر بولا۔ اس کے مزید کچھ بولنے سے پہلے اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ وہ دینہ کا نام دیکھ کر بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور فوراً فون اٹھایا۔

"کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟" اس کے لہجے میں اتنی فکر تھی کہ ممی کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں یار، وہ پلمبر کا نمبر تھا ناں تمہارے پاس وہ مجھے بھیج دو۔ تمہارے باتھ روم کا نلکا ٹپک رہا ہے۔"

"قطعاً پلمبر کو گھر بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آ کر نلکا خود ہی ٹھیک کروا دوں گا۔ تم بس اسے پیچھے سے بند کر دو۔"

"تم کہیں پاگل تو نہیں ہو۔ پہلے بھی یہ کام میں ہی کرواتی تھی ناں۔"

"تب میں گھر ہی ہوتا تھا۔ ابھی تم اکیلی ہو تو کسی کو گھر نہیں بلانا۔" دینہ کی خاموشی پر وہ بھنایا۔ "ڈی، تم سن رہی ہو میری بات؟"

"بھاڑ میں جاؤ۔" دینہ غصے سے بولی۔

"ڈی، میں منع کر رہا ہوں تمہیں۔"

"اسلام آباد جا کر ہر چیز پر ہی منع کر رہے ہو۔ بدتمیز۔" دینہ نے فون رکھ دیا تو اسامہ نے غصے سے فون کی طرف دیکھا۔ "دیکھ رہی ہیں آپ، بالکل کوئی بات نہیں مانتی ہے۔ اب آپ بتائیں جب گھر میں اکیلی ہے تو پلمبر کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟" اسامہ نے سخت غصے میں ممی کو کہا۔ "پر بندے کا اعتبار تو نہیں کیا جا سکتا ناں مگر مجال ہے کہ میری کوئی بات سنے۔ ہر بات پر منہ پھلا لیتی ہے۔ بس اپنی بات ہی منوا کر دم لیتی ہے۔"

"شادی کر لو اس سے۔" ممی نے مسکراتے ہوئے کہا تو ایک لمحے کے لیے تو اسامہ کو سمجھ ہی نہیں آئی پھر جب سمجھ آئی تو وہ کچھ حیران اور کچھ پریشان ہو کر ممی کو دیکھنے لگا۔ "اتنی محبت کرتے ہو اس سے لیکن خود ہی بے خبر ہو۔"

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گی۔" اسامہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ "اس کے بہت سے مسائل ہیں۔"

"تم ہاتھ تو بڑھاؤ وہ تھام لے گی۔"

"بڑھایا تھا اس نے۔نہیں تھاما، وہ کہتی ہے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوں اور سچ بھی ہے۔"

"کیا یہ بتایا تھا کہ اس سے محبت کرتے ہو؟"

اسامہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا یہ پوچھا تھا کہ شادی کرو گی مجھ سے؟"

اسامہ نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر ہاتھ کیسے تھامے وہ تمہارا؟"

"وہ ایک بار اعتبار ٹوٹنے کا درد سہہ چکی ہے می، دوسری بار پھر اسی تجربے سے نہیں گزرنا چاہتی اور میں اس کے اس احساس کو سمجھ سکتا ہوں۔میں بھی تو تجربہ کر چکا ہوں۔"

"زندگی کسی ایک تجربے کے ساتھ رکتی نہیں ہے۔تم اعتبار کی آزمائش مانگو پھر اگر پورا نہ اتر سکو تو رد ہو جانے پر حق سمجھ کر صبر کر لو مگر آزمائش سے پہلے ہی ہار مت مانو۔"

"میں پوچھوں گا تو وہ رد کر دے گی اور مجھے ڈر ہے اس بار دل سے زیادہ روح زخمی ہو گی کیونکہ ایسا احساس پہلے کبھی دل میں نہیں جاگا۔"

"نہیں پوچھو گے تو ساری زندگی دل سے پچھتاوا نہیں جائے گا کہ کاش میں پوچھ لیتا کیا معلوم وہ ہاں ہی کر دیتی۔" اسامہ کی خاموشی پر وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولیں۔"بیٹے! انسان کی زندگی میں جب کچھ غلط ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں ہونے والی صحیح چیزوں کے سامنے دیوار بن کر نہیں کھڑا ہوا جاتا۔ زندگی ایک بار ہاتھ جھٹک دے تو اس کے دوسری دفعہ بڑھانے پر آگے بڑھ کر تھام لینا چاہیے اور محبت تو وہ انمول رشتہ ہے جو بکھرے ہوئے رشتوں کو سمیٹ لیتی ہے۔ایک بار خود کو چانس کو دے کر دیکھو۔"

☆......☆......☆

اسامہ گھر میں داخل ہوا تو گھر کھانوں کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔اسامہ سامان کمرے میں رکھ کر کچن میں آ گیا۔دینہ بے فکری سے دوپٹہ کرسی پر ڈالے پتیلی میں چمچ چلا رہی تھی۔اسامہ اپنے گھر سے آیا تھا لیکن گھر کو

احساس دینہ کو دیکھ کر ہو رہا تھا۔

"کاش تم سمجھ سکو کہ تم میرے دل میں نور بن کر اتر گئی ہو۔" اسامہ نے دل میں سوچا پھر شرارت سے دبے قدموں کچن میں داخل ہوا اور دینہ کے قریب پہنچ کر اس نے زور سے ہاؤ کیا تو دینہ ایک دم اچھل پڑی۔ دل پر ہاتھ رکھے اس نے اسامہ کی طرف دیکھا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟" دینہ چیخی۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" دینہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"کیا پکا رہی ہو؟" اس نے آگے ہو کر پتیلی میں جھانکا۔

"زہر بنا رہی ہوں۔" اس کے غصے پر اسامہ ہنسا۔

"میں تو جہاز میں کھانا کھا آیا ہوں تم کھا کر سو جانا۔" اسامہ کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ دینہ ہنس پڑی۔ دونوں ابھی کھانے کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ گھنٹی کی آواز پر اسامہ دروازے کی طرف چلا گیا۔ اسے دروازے پر ماہ نور کو دیکھنے کی بالکل بھی توقع نہیں تھی۔ ابھی تو وہ گھر میں داخل ہوا تھا جانے اس نے اسامہ کے پیچھے کیسے جاسوس لگا رکھے تھے۔ وہ اس وقت اسے بالکل اندر آنے کی دعوت نہیں دینا چاہتا تھا لیکن شائستگی کا تقاضا تھا کہ وہ اسے اندر آنے کی دعوت دیتا۔

اسامہ کے پیچھے اندر آتی ماہ نور کو دیکھ کر دینہ کو حیرت تو ہوئی لیکن بے اختیار اس کی آخری دفعہ کی حالت بھی یاد آئی تو اس نے بامشکل اپنی ہنسی چھپائی اور اٹھ کر اس سے ملی اور اسے کھانے کی دعوت دی جو ماہ نور نے بلا جھجک قبول کر لی۔ اسے کھانا کھاتے ہوئے اچھو لگا تو اسامہ نے اسے پانی ڈال کر دیا۔ وہ اس کے لیے فکر مند ہو گیا۔ دینہ نے پہلی دفعہ غور کیا کہ اسامہ کے وجود کے ہر حصے سے نور کے لیے فکر چھلکتی ہے اور نور بھی اسے ایسے دیکھتی ہے جیسے اسامہ صرف اسی کا ہو۔ یہ احساس ہوتے ہی دینہ کو اپنا وجود ان کے بیچ فالتو لگا۔ اسامہ مکمل توجہ سے نور کی بات سن رہا تھا۔ اس کا انگ انگ اس کی ذات میں کھویا ہوا تھا۔ دینہ نے غیر محسوس انداز میں اپنی پلیٹ پیچھے دھکیلی اور اٹھ گئی۔ اس کے اٹھتے ہی اسامہ کا جذب یکدم ٹوٹ گیا۔

"تم کہاں جارہی ہو؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"میں آتی ہوں۔" کہہ کر دینہ کچن میں چلی گئی۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس کی بھوک مرگئی تھی۔ چند لمحے وہ اپنے دل کو سنبھالتی رہی۔ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو واپس دھکیلتی ہوئی کچن میں بکھرا ہوا سامان سمیٹنے لگی۔

"تم نے کھانا نہیں کھایا؟" اسامہ کی آواز پر دینہ اس کی طرف پلٹی۔

"نہیں کھالیا تھا میں نے۔" دینہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ مبادا وہ کی آنکھوں میں تیرتے درد کو نہ دیکھ لے۔

"میں نور کو چھوڑ کر آتا ہوں وہ کیب سے آئی تھی۔ رات میں اس کا اکیلے جانا مناسب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" دینہ نے اس کی طرف پیٹھ کر کے نلکا کھول لیا۔ اسامہ کا دل چاہا اس سے کہے کہ ساتھ چلے لیکن وہ بنا کچھ کہے کچن سے نکل گیا۔

جب وہ گھر لوٹا تو دینہ کے کمرے کا دروازہ بند دیکھ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ صبح بھی اسے اس کا دروازہ بند ملا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آخر ایسا کیا ہوگیا ہے کہ وہ اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔ ورنہ یہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا تھا کہ آج مسلسل تیسرا دن تھا اور اسے ایک بار بھی اس کے کمرے کا دروازہ کھلا نہیں ملا۔ اسامہ میں تو اپنی محبت کا اعتراف کرنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔ کیسے اعتراف کرتا۔ اگر وہ اس کی شکل تک تو دیکھنا نہیں چاہتی تھی تو اس کا ساتھ کیونکر قبول کرے گی۔ اس خیال سے اسامہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

"اسامہ مجھے دے دو۔" نور کی آواز ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ "میں بہت پیار کرتی ہوں اس سے۔ وہ بھی پیار کرتا ہے بس کچھ فاصلے آگئے تھے ہمارے بیچ لیکن میں یہ فاصلے دور کردونگی۔ اگر تم مجھے چانس دے دو۔ آخر میرا منگیتر تھا تو محبت تو تھی ہی ناں ہمارے بیچ۔"

دینہ نے بنا کچھ کہے فون رکھ دیا تھا۔ اس کا نہ تو کوئی حق تھا اور نہ ہی وہ دونوں کے بیچ میں تھی۔ پھر اس سے یہ التجا کیوں؟ دماغ نے بے دردی سے سوال کیا اور دل ایسے تھا گویا کسی نے اسے ہاتھ میں مسل دیا ہو۔

"ڈی۔" اسامہ نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا

تو دروازہ لاکڈ پا کر وہ شاکڈ رہ گیا۔ ان کے بیچ کچھ طے نہیں پایا تھا مگر وہ دونوں ہی دروازہ لاک نہیں کرتے تھے۔ یہ لاکڈ دروازہ واضح نشانی تھی کہ وہ اس سے دور رہنا چاہتی ہے۔

"ڈی، دروازہ کھولو۔" اس نے ایک بار پھر دستک دی مگر اس کی کسی بھی دستک کا جواب نہیں آیا۔

☆......☆......☆

جب گھر سے چلنے پھرنے کی آوازیں ختم ہو گئیں تو دینہ کمرے سے باہر آ گئی۔

"بس ہو گئی تمہاری لکا چھپی۔" اس کی آواز پر دینہ ایک دم چونک کر پلٹی۔ وہ لاؤنج کی دیوار سے ٹیک لگائے، سینے پر بازو باندھے کھڑا اسے گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔

"کیسی لکا چھپی؟" دینہ نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا اور کندھے اچکاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اسے چائے کی اشد ضرورت تھی۔ "اپنے لیے چائے بنا رہی ہوں تمہارے لیے بھی بنا دوں؟"

"ہاں لیکن پہلے یہ بتاؤ مجھ سے چھپ کیوں رہی ہو؟" اسامہ کچن کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"میں نے کوئی چوری کی ہے کہ تم سے چھپوں گی۔"

"سوال کے جواب میں سوال کر رہی ہو۔ تمہاری اس تبدیلی کے بارے میں، میں کیا سمجھوں؟"

"تم اپنی چھوٹی سی عقل پر اتنا زور نہ دو۔ آج گئے نہیں؟" اس نے چائے چڑھائی۔

"ظاہر ہے نہیں گیا ورنہ تم میرے بھوت سے تو بات نہیں کر رہی ناں۔" اسامہ چڑا۔

"اسامہ، میرے سر میں بہت درد ہے۔ مجھے تنگ مت کرو۔"

"سر میں تو میرے بھی درد ہے اور تنگ تم مجھے کر رہی ہو۔ کیوں بھاگ رہی ہو؟"

دینہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ کچھ لمحے ان کے بیچ خاموشی رہی پھر اسامہ کی گہری آواز نے خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا۔ "تمہارے بغیر کسی چیز میں دل نہیں لگتا میرا۔ صبح تمہیں نہیں دیکھتا ہوں تو ہر چیز سونی سونی لگتی ہے، دل اجڑا اجڑا سا محسوس ہوتا تھا۔ کس چیز کی سزا دے رہی ہو؟" اس کی آواز میں کتنی شکست تھی یہ دینہ نے محسوس تو کی مگر اسے نظر انداز کر دیا۔

"چائے۔" دینہ نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھا۔ دل چاہا خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ جائے لیکن وہ دو محبت کرنے والوں کے بیچ نہیں آنا چاہتی تھی۔ محبت کی آگ سے واقف تھی کسی اور کو اس میں سلگتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسامہ اس کے ساتھ رہتے رہتے وقتی طور پر بہک گیا تھا۔ نور سے قریب ہوگا تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا یہ سوچ کر دینہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لیکن یہ کیا اگر اسے بے چین کر کے آئی تھی تو چین تو اسے بھی نہیں تھا۔ چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ باہر زندگی رواں دواں تھی بس اس کے اندر ہی رک سی گئی تھی۔

اسامہ نے چائے کے کپ کو پیچھے دھکیلا اور گھر سے نکل گیا۔ جب صبح کے چار بج گئے اور اسامہ گھر نہیں آیا تو دینہ کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ جب اس کی دیر تک شوٹنگ ہوتی تھی تو وہ شام میں جاتا تھا لیکن وہ صبح کا نکلا ہوا تھا۔ اس کا دل ہولنے لگا تھا۔ اس نے دماغ کے لاکھ روکنے پر بھی اسے فون ملایا۔ اس نے فون اٹھایا تو اس کے پیچھے اتنا شور تھا کہ وہ اسے سن ہی نہیں پائی لیکن یہ جان گئی تھی کہ وہ کسی پارٹی میں ہے۔ اس نے فون رکھ دیا اور پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو آنکھوں کی باڑ پار کرنے سے روکا۔

اس نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ چھپنا کوئی مناسب حرکت نہیں ہے اس طرح تو اسامہ سمجھے گا یہ اس کے دل میں اس کے لیے کوئی جذبات ہیں۔ اس نے ہر روز کی طرح اس کے لیے ناشتہ بنایا لیکن وہ بہت دیر سے اٹھا اور جب کمرے سے نکلا تو وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھا۔ اسے یہ کہتے ہوئے گھر سے نکل گیا کہ وہ دیر سے آئے گا۔ رات گئے جب وہ لوٹا تو دینہ سو چکی تھی۔ یہ سلسلہ بہت دن تک چلتا رہا۔ اس نے دینہ کو یہ باور کروا دیا تھا کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں لیکن یہ بات اتنی تکلیف دہ ہوگی اس کا اسے اندازہ نہیں تھا۔ اس نے بیدردی سے پلکوں پر آئے آنسو پونچھے۔

"ڈی، کچھ پکایا ہے یا میں آرڈر کر دوں؟" ابھی تو لہجے کی اس اجنبیت کی وہ عادی نہیں ہوئی تھی اس لیے دل احتجاجاً بلکا۔

"کھانا کچن میں ہے کھالو" دینہ کہہ کر اس کے قریب سے گزرنے والی تھی کہ وہ ایک دم اس کے سامنے آ گیا

"بے رخی کی تکلیف کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا؟" اس نے مکمل اعتماد کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"چلو دوستی کر لیتے ہیں۔" اسامہ نے ہاتھ اس کے سامنے سیدھا کیا۔

"تم یہ سب جان بوجھ کر کر رہے تھے؟"

"تم بھی تو جان کر کر رہی تھی۔" اسامہ مسکرایا۔ "اب بس کرو یار۔ بہت بھوک لگی ہے چلو کھانا کھائیں۔"

اسامہ کچن کی طرف بڑھا تو دینہ اس کے پیچھے چلی گئی۔ کھانے کے دوران دینہ اپنی گھنی پلکیں اٹھا کر چوری چوری اسے دیکھ رہی تھی۔

"دیکھ لو۔" اسامہ کی بھاری آواز پر اس نے فوراً اپنی نظروں کا زاویہ بدلا۔ "میں جانتا ہوں میں بہت ہینڈسم ہوں۔" اس کی مسکراتی آواز پر دینہ کو اپنا آپ شرم سے پانی پانی ہوتا محسوس ہوا۔

"اب تم ایسے بھی کوئی ہینڈسم نہیں ہو۔"

"میں اگر چلا گیا تو رہ لو گی میرے بغیر؟" اسامہ نے اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا اس نے اس کے چہرے پر درد بکھرتے دیکھا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی لاپرواہ سی ہنسی پر اس نے اپنا خیال رد کر دیا۔

"تم چلے جاؤ گے تو میں کسی اور کو کرائے پر رکھ لوں گی۔ تم صرف ایک کرائے دار ہی تو ہو۔" دینہ نے لاپروائی سے کندھے جھٹکے اور اپنی پلیٹ لے کر اٹھ گئی۔

کیا واقعی اس کی اہمیت ایک کرائے دار سے زیادہ نہیں تھی؟ یہ سوچتے ہوئے اسامہ کو ایسا لگا جیسے اس کے دل پر کسی نے چھریاں چلا دی ہوں۔ کیا وہ اسے اتنی ہی آسانی سے بدل سکتی تھی۔ اس کے لیے وہ صرف ایک کمرہ مکین ہی تو تھا۔ دل تڑپا۔ اگر اس نے کمرہ خالی کیا تو اس میں کوئی اور آ کر بس جائے گا۔ اس نے اسے بار بار یہ باور کرایا تھا وہ اس کے دل میں نہیں بستا۔ یہ خود ساختہ کہانی کہ کہیں تو وہ بھی اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا اب جب پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوئی تھی تو دل کو ہونے والی تکلیف ناقابل برداشت تھی۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟" دینہ نے اسامہ کو اپنی چیزیں اکٹھی کرتے دیکھا تو پریشانی سے پوچھا۔

"میرے ساتھ چلو گی؟" اسامہ اپنی چیزیں چھوڑ کر اس کی طرف آ گیا۔ دل نے بہت روکا کہ مت پوچھو یہ سوال رد کیے جانے کی تکلیف برداشت نہیں ہو گی لیکن دوسری طرف یہی دل بلک رہا تھا، پوچھ کے تو دیکھو۔ ایک آس تھی جو ساتھ نہیں چھوڑ رہی تھی۔

"کہاں؟" دینہ کو اپنی سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"جہاں میں لے جاؤں۔ ساتھ دو گی میرا؟" اسامہ کی آنکھوں میں امید کو جو دیئے تھے اسے دینہ بجھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ اس کے ساتھ بھی تو نہیں جا سکتی تھی۔ "بولو چلو گی؟" اسامہ کے لہجے میں بے تابی ہی بے تابی تھی۔ "اگر ایک دفعہ ہاتھ تھام لیا تو یقین کرو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔" اس کی خاموشی اسامہ کی بے قراری میں اضافہ کر رہی تھی۔ "بولو ڈی؟"

دینہ نے اپنے دل کو سختی سے چپ کروایا اور نفی میں سر ہلایا۔ "میں وقت کی قیدی ہوں میں کہیں نہیں جا سکتی۔ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"اسلام آباد۔" اسامہ کے پاس وہ الفاظ نہیں تھے جن سے وہ اپنے ہارے ہوئے وجود کو حوصلہ دیتا۔ اگر وہ اس کی طرف دیکھتا رہتا تو جانے کیا کر بیٹھتا اس لیے اس کی طرف پیٹھ کر کے وہ اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

"کب تک؟"

"ہمیشہ کے لیے۔"

دینہ کو لگا کسی نے اس کے سر پر سے آسمان کھینچ کر اسے بے سائبان کر دیا ہو۔ اس کی پوری دنیا اس کے قدموں میں آگری ہو۔ اگر اسامہ کی اس کی طرف پیٹھ نہ ہوتی تو وہ اس کے دل کی حالت اس کے چہرے سے عیاں ہوتی دیکھ لیتا۔

"کوئی ہیلپ چاہیے ہو تو بتانا۔" دینہ یہ کہہ کر فوراً ہی پلٹ گئی کیونکہ اسے شک تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور کھڑی رہی تو اس کی پانی ہوتی ٹانگیں اس کا ساتھ چھوڑ جائیں گی۔

اسامہ نے پلٹ کر اس کی دور ہوتی کمر کو دیکھا اور اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔ دل نے دہائی دی کہ بس اتنی آسانی سے چھوڑ دیا اس نے۔ کیا یہ ساتھ اتنا کمزور تھا کہ اتنی آسانی سے ٹوٹ گیا۔

☆......☆......☆

"ممی، وہ نہیں مانی۔" اس رات فون پر بات کرتے ہوئے وہ کسی بچے کی طرح ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ رویا۔ دل درد سے پھٹ رہا تھا اور روح تڑپ رہی تھی۔ دکھ ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

دینہ اپنے بیڈ پر بیٹھی دیوار کو گھور رہی تھی۔ اسے کسی قسم کے غم، درد یا تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ سب حسیں سن ہوگئی ہوں کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

دینہ نے اسامہ کا سامان پیک کرانے میں بہت مدد کی۔ دونوں کے بیچ خاموشی دیوار بن کر کھڑی تھی۔ بنا کچھ بھی کہے وہ دن سے رات اور رات سے صبح کر دیتے۔

اسامہ نے آج اسلام آباد جانا تھا۔ وہ کچھ ضروری کام کر کے جب گھر آ رہا تھا تو اس نے دینہ کو فون پر کہا کہ وہ چابی گھر ہی بھول گیا ہے اس لیے اس کی واپسی پر دروازہ کھول دے۔ شام کے کچھ دیر بعد جب گھنٹی بجی تو دینہ بھاگتی ہوئی دروازے تک گئی اور اس نے بنا پوچھے ہی کھول دیا۔ باہر ہاتھ میں لیٹر پکڑے کھڑا لڑکا بنا دعوت کے ہی دروازہ دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے داخل ہونے والے دو لڑکوں میں سے ایک نے اسے پستول دکھائی اور اندر جانے کو کہا۔ دوسرے نے دروازہ بند کر دیا۔

"ہمیں تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑا۔ اس نے تو بنا کچھ جانے ہی دروازہ کھول دیا ہے۔" ایک لڑکے نے کہا تو تینوں ہنس پڑے۔ "اب بتاؤ مال کہاں رکھا ہے؟"

اسامہ دروازہ کھلا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ وہ دینہ کو آوازیں دیتا ہوا اندر داخل ہوا تو دینہ اسے کہیں دکھائی نہیں دی لیکن گھر کی حالت سے لگ رہا تھا کہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے قدموں میں تیزی اور دل میں پریشانی بڑھ گئی۔ اس نے دونوں کمرے، باتھ روم، لاؤنج، کچن سب دیکھ لیا۔ گھر کا ہر کمرہ گواہی دے رہا تھا کہ کسی نے جامعہ تلاشی لی ہے۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسامہ کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اچانک اسٹور کا خیال آنے پر وہ اپارٹمنٹ کی پچھلی طرف بنے اسٹور کی طرف بھاگا۔ دروازے میں ہلکی سی درز دیکھ کر اسامہ نے احتیاط سے دروازے کو پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ اسے یاد نہیں تھا آخری دفعہ کب اس نے اتنے کرب سے دعائیں مانگی تھیں جتنی وہ مسلسل دینہ کی حفاظت کے لیے مانگ رہا تھا۔

اسٹور کے کونے میں اسے دینہ کا دوپٹہ دکھائی دیا تو وہ تیزی سے اندر بڑھا۔ دینہ اپنی طرف بڑھتے سائے کو دیکھ کر پیچھے ہٹی۔

"ڈی۔" اسامہ کی آواز سن کر اس نے خشک آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ، پاؤں اور منہ

کس کر بندھے ہوئے تھے۔اسامہ اس کے سامنے پاؤں کے بل بیٹھ گیا اور جلدی سے اسکے منہ، ہاتھ اور پاؤں کھولے۔دینہ بری طرح سے کانپ رہی تھی۔اس کا رنگ فق ہو چکا تھا۔اسامہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تو وہ اس کے سینے سے لگ کر زور زور سے رونے لگی۔

"وہ تینوں زبردستی اندر آ گئے تھے۔انہوں نے مجھے بہت ڈرایا، مارا بھی اور پھر یہاں باندھ دیا۔" وہ روتے روتے بولی۔"میں بہت ڈر گئی تھی۔"

اس کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا مضبوط کرتے ہوئے اسامہ نے بامشکل اپنے اندر ابلتے لاوے کو روکا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان تینوں کو ڈھونڈ نکالے اور دینہ کی اس حالت کا ایسا بدلہ لے کہ وہ زندگی میں دوبارہ کسی لڑکی کو نہ ڈرا سکیں لیکن اس وقت اپنے غصے اور بڑھتے ہوئے جوش کو قابو کر کے اسے دینہ کو سنبھالنا تھا۔

"ڈی، میں آ گیا ہوں ناں۔چلو اندر چلیں۔" دینہ کو خود سے الگ کر کے اس نے اس کا چہرہ صاف کیا۔ "بس اب اور نہیں رونا۔چلو میرے ساتھ۔"

اس نے دینہ کو سہارا دے کر کھڑا کیا اور اس کے کندھوں کے گرد اپنے بازو پھیلا کر اسے گھر کے اندر لے گیا۔گھر کی حالت دیکھ کر اس کی حالت اور بھی خراب ہونے لگی۔وہ اسامہ کی طرف مڑی۔

"یہ سب کیا کر دیا انہوں نے؟" اس کے چہرے پر شاک نمایاں تھا۔گھر کی قیمتی چیزیں وہ لے گئے اور باقی چیزیں توڑ پھوڑ کر کے گھر کی حالت بگاڑ گئے تھے۔"سب ختم کر دیا انہوں نے۔" اس نے لاؤنج میں ہر طرف نگاہ دوڑائی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔"میں جب گھر بناتی ہوں میرا گھر ٹوٹ جاتا ہے۔میں ہی ہر دفعہ کیوں لٹتی ہوں۔کیوں؟" دینہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور ایسے تڑپتے ہوئے چیخی تو فاصلے پر کھڑے اسامہ کو لگا وہ اپنا ذہنی توازن کھو رہی ہے۔

"ڈی، سب دوبارہ بن جائے گا۔ہم سب کچھ پھر سے ٹھیک کر لیں گے۔" اسامہ نے اسے سمجھایا۔

"سب ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔" اس نے آنسوؤں سے تر آنکھیں اٹھا کر اسامہ کی طرف دیکھا۔"میں نے بہت کوشش کی لیکن کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔سب پھر سے نیا نہیں ہو سکتا اور تم کچھ نہیں کر سکتے۔تم تو چلے جاؤ گے میں پھر سے اکیلی رہ جاؤں گی۔" اس کے لہجے میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔اسامہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

”ڈی، میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ مجھے دیکھو میں یہاں ہوں، تمہارے پاس۔“ اسامہ نے اسے بازو سے پکڑا۔

"میرے پاس کوئی نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ "مجھے سب نے چھوڑ دیا۔ سب کچھ ٹوٹ گیا ہے، میرا گھر ٹوٹ گیا ہے۔ میرے رشتے برباد ہو گئے ہیں۔ میرے اپنوں نے مجھے چھوڑ دیا، میری محبت رسوا ہو گئی ہے، میرا اعتبار کرچی کرچی ہو گیا ہے۔ سب ٹوٹ گیا ہے۔ سب نے چھوڑ دیا ہے مجھے۔ کوئی میرا اپنا نہیں ہے۔ میں اس بھری دنیا میں تنہا رہ گئی ہوں۔ کیا تم یہ سب ٹھیک کر سکتے ہو؟ کیا تم پھر سے ٹوٹے رشتے جوڑ سکتے ہو؟ میرا دل، میرا اعتبار کچھ بھی جوڑ سکتے ہو؟"

اسامہ اس کے ایک کے بعد ایک اعتراف پر ششدر سا اسے دیکھے گیا۔ "تم کچھ نہیں کر سکتے۔ تم بھی تو مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ تو جاؤ ابھی جاؤ۔ تم بھی چلے جاؤ۔" اس نے کسی جنونی کی طرح اسے دھکے دیئے۔ اسامہ نے بامشکل اپنے سینے پر پڑنے والے اس کے ہاتھ پکڑے۔

"ڈی بس کرو۔ دیکھو سب کچھ ویسا ہی ہے اور میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ یقین کرو میرا۔"

"تم چلے جاؤ گے۔ باقی سب کی طرح تم بھی چلے جاؤ گے۔ تم نے کہا تھا تم ہمیشہ کے لیے جا رہے ہو۔ میرے بارے میں کیوں نہیں سوچا تم نے؟ کیوں کوئی بھی میرے بارے میں نہیں سوچتا۔ سب بس اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ میں بھی تو انسان ہوں۔ جذبات ہیں میرے۔ کوئی مجھ سے مجھے مانگتا ہے تو کوئی زندگی۔ اور اگر میں پھر سے زندگی کی طرف ہاتھ بڑھاؤں تو وہ تمہیں مانگ لیتی ہے اور تم بھی تو ہاتھ چھڑوا کر جا رہے ہو تو پھر جاؤ ناں۔" وہ چیخی۔ "تم بھی چلے جاؤ اور چھوڑ دو مجھے۔" اس نے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی۔

اسامہ نے خود کو چھڑواتی دینہ کو سینے سے لگایا اور اسے سختی سے اپنی فولادی گرفت میں لیے رکھا۔ کچھ دیر وہ خود کو چھڑوانے کی کوشش کرتی رہی اس کے بعد تڑپ کر روئی اور جب آنسو بھی خشک ہو گئے تو اس کے وجود پر خاموشی چھا گئی۔ اسامہ دیوار سے ٹیک لگائے تحفظ کے احساس کے لیے اسے اپنے حصار میں لیے بیٹھا رہا۔

"اگر میرے جانے کا اتنا غم ہے تو کہتی کیوں نہیں ہو؟" اسامہ نے سوتی ہوئی دینہ سے کہا۔ "ہاتھ بڑھاتا ہوں تو تھامتی نہیں ہو۔ چھڑواتا ہوں تو چھوڑتی بھی نہیں ہو۔ جب میرے ساتھ کے بغیر جی نہیں سکتی تو پھر میرے طرف بڑھنے سے رک کیوں جاتی ہو۔ محبت کرتی ہو تو قبول کیوں نہیں کرتی ہو؟" اس نے دینہ کے چہرے سے

نرمی سے بال ہٹائے۔ "اگر اس کے کہنے پر مجھے اسے دینے کا حوصلہ کرتی تو سہہ بھی نہیں سکتی ہو تو پھر میرے اور اپنے لیے امتحان کیوں بنی ہوئی ہو؟"

اسامہ سب سمجھ گیا تھا، جان گیا تھا کہ دینہ جو پرواہ نہ کرنے کی ایکٹنگ کر رہی تھی وہ صرف ایک دھوکا تھا۔ اصل میں تو وہ اندر سے ٹوٹ گئی تھی مگر اظہار نہیں کر پا رہی تھی۔ اسامہ نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ دینہ کو لیے بغیر نہیں جائے گا۔

جانے رات کا کون سا پہر تھا جب دینہ نے اپنی دکھتی، سوجی آنکھیں کھولیں۔ ابھی تک وہ فرش پر بیٹھے اسامہ کے بازوؤں کے حصار میں تھی۔ اس نے دھیرے سے خود کو اس سے الگ کیا۔ اسامہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر میں صرف فکر تھی، نہ کوئی طعنہ تھا نہ شکوہ لیکن دینہ نے شرمندگی سے اپنی نظر جھکا لی تھی۔ جذبات کا ریلہ بہہ جانے کے بعد اب اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس طرح اپنے رویے کے حق میں کوئی دلیل پیش کرے کیونکہ اس کے رویے کے لیے کسی بھی قسم کے دلائل کافی نہیں تھے اس لیے دینہ نے کوشش بھی نہیں کی۔

"تھینک یو۔"

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔" اسامہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ دینہ کو سخت سے الفاظ سننے کی امید تھے یہ الفاظ تو اس کی امید سے بالکل برعکس تھے۔

"تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو۔"

"میں تمہیں جانتا ہوں اور یہ کافی ہے میرے لیے۔"

"مجھے اس بھنور میں مت پھنساؤ۔ میں اس آزمائش کی متحمل نہیں ہو سکتی۔"

"میں تو ہاتھ تھام کر بھنور سے نکالنا چاہتا ہوں اور اگر تم آزمائش نہیں چاہتی تو پھر مجھے آزما کے دیکھ لو۔" اسامہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میں تمہارا ہاتھ نہیں تھام سکتی اسامہ۔" اسامہ نے دھیرے سے اپنی آنکھیں بند کیں اور درد سے کراہتے ہوئے دل کو تسلی دیتے ہوئے پوچھا۔ "مگر کیوں؟"

"کیونکہ گلابو کی چھوٹی نند کی بڑی بیٹی تم پر مرمٹی ہے۔" وہ ہنسی تو اس کے ہنسی میں درد ہی درد تھا۔ اسامہ نے

اس کی آنکھوں میں درد کا بہتا سمندر دیکھا تو اس کے دل کو بے چینی نے آ گھیرا۔ "درد تمہیں ہوتا ہے تو تڑپ مجھے ہوتی ہے۔"

"اپنے دل کو پلٹ دو اسامہ، تم نہیں جانتے یہ تڑپ بہت رلاتی ہے، بہت ستاتی ہے۔ دکھ کی اس انتہا پر کھڑا کر دیتی ہے جہاں ہر راستہ صرف غم کی طرف ہی جاتا ہے اور اس راستے پر اندھیرے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔"

"ان اندھیروں میں تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں روشنیوں کی طرف لے جانا چاہتا ہوں جب تڑپ سمجھتی ہو تو کیوں مجھے تڑپا رہی ہو؟"

"نہیں۔" دینہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ "میں ایسا نہیں کر رہی۔"

"میرے درد کی دوا تم ہو ڈی۔ تم ہی میری تڑپ کی منزل ہو۔ مجھے میری منزل تک پہنچا دو۔" اسامہ نے ایک بار پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "آزمائش چاہتا ہوں، جدائی مت لکھو میرے نصیب میں۔" اسامہ کی آواز میں اتنی سچائی تھی، نظر میں اتنی پاکی اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں اتنی تڑپ کہ دینہ آنکھوں میں بے یقینی اور دل میں درد لیے اسے دیکھتی رہی۔

"تم سنبھل جاؤ گی، دل سے درد اپنے نقش کم کر دے گا اور تمہارا یہ دل پھر سے دھڑکے گا۔ زندگی ہر روز ایک نیا موقع دے گی اسے تھامتے جانا، بس کبھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھنا۔"

بھابی کی آواز اس کے کانوں میں گردش کر رہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ پلٹ کر نہ دیکھنا لیکن اس نے کبھی پلٹنا چھوڑا ہی نہیں تھا۔ ہر رات یادوں کی بارات اترتی تھی تو درد اپنے نقش کم کیسے کرتا۔ ہر تڑپتی رات صبح کی روشنی کے ساتھ روشن نہیں ہوتی، تاریکی نہیں چھٹتی۔

"اندھیرا میرا ہمسفر ہے۔ میرے ساتھ میرے وجود میں اتری تاریکی کو بھی قبول کر لو گے؟" دینہ کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ اسامہ کو لگا جیسے وہ کسی خواب میں بول رہی ہو۔

"تمہارے وجود میں اپنے پیار کا نور بھر دونگا۔ تاریکی کو تمہارے قریب بھی نہیں بھٹکنے دونگا۔"

"وعدے کرنا بہت آسان ہوتا ہے مگر انہیں وفا کرنا بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے اور ٹوٹے وعدے بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔"

"خود ٹوٹ جاؤں گا مگر وعدہ نہیں ٹوٹنے دونگا۔"

"مجھے کچھ وقت دو۔"

"ساری زندگی لے لو مگر اپنا ساتھ میرے نام کر دو۔ میرا ہاتھ تھام لو پھر بھلے دل لو یا جان۔ سب تمہارا ہے۔"

"اسامہ۔" دینہ اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکی تو اسامہ نے ان کے بیچ کا فاصلہ طے کیا۔

"میرے وعدے کا نہ سہی میرے ساتھ کا تو اعتبار کر لو۔" اس نے دینہ کا جھکا چہرہ اونچا کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ "میں جانتا ہوں مجھ جیسے ہینڈسم لڑکے کے اعتراف پر خوشی سے رونا آ ہی جاتا ہے۔" اسامہ نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا تو دینہ ہنستے ہنستے رو پڑی۔

"ارے یار ایسے مت کیا کرو پلیز۔" وہ اس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہوا۔

"تم پریشان کر رہے ہو مجھے۔" وہ روتے روتے بولی۔

"تو ہاں کہہ کر پریشانی ختم کر دو۔"

"تم کچھ نہیں جانتے میرے بارے میں۔" اس کی ٹھہرے سمندر جیسی آنکھوں میں کس قدر گہرائی تھی اس کا اندازہ تب اسامہ کو ہوا جب اس نے خود کو ان میں ڈوبتا پایا۔

"تو پھر سب بتا دو۔" اسامہ کی بات پر دینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر مجھے نہیں بتاتی ہو تو خود بھی بھول جاؤ۔ ہم مل کر مستقبل بنائیں گے اور کبھی بھی ماضی میں نہیں جھانکیں گے۔"

"تمہارے گھر والے کیا کہیں گے؟"

"ممی نے کہہ کر بھیجا تھا کہ اس بار محبت کا اعتراف کر لینا کیونکہ اگر اعتراف نہیں کیا تو پچھتاوا جینے نہیں دے گا۔" اسامہ کی گہری آواز مزید گمبھیر ہو گئی۔

"جینے تو محبت بھی نہیں دیتی۔" دینہ نے سر جھکایا۔

"ایک منٹ یہیں رکو۔" اسامہ اسے چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جب واپس آیا تو دینہ کی طرف اس نے ڈبیہ کھول کر بڑھائی۔ "ڈی، شادی کرو گی مجھ سے؟"

ڈبیہ دیکھ کر دینہ کو ایک لمحے کے لیے یہ لگا تھا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی اس کی انگلی میں ڈال دے گا مگر جب اس نے شائستگی سے پوچھا تو دینہ حیرت زدہ اسے دیکھتی رہی۔

"تم پوچھ رہے ہو مجھ سے؟" دینہ کی دھیمی آواز میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"محبت تو خود بخود دل میں اتر گئی تھی مگر شادی کے لیے تو تمہاری اجازت چاہیے۔"

"یہاں لڑکوں سے ان کی مرضی کوئی نہیں پوچھتا تم تو لڑکیوں کی بات کر رہی ہو۔" دینہ کے ذہن میں بھابھی کی آواز گونجی۔ آج سے پہلے اس کی زندگی کے فیصلے ہمیشہ دوسرے کرتے آئے تھے۔ اسے تو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ اسے فیصلہ لینے کا کوئی اختیار ہے۔ اس کی منگنی اس وقت کر دی گئی جب وہ ناسمجھ تھی پھر جب شعور کی منزلیں طے کیں تو اسے صفدر نے صرف بتایا تھا کہ وہ اس کی منگیتر ہے۔ کسی نے پوچھنے کی تو زحمت ہی نہیں کی تھی۔ عالیان نے زبردستی اٹھالیا تھا اور بھابھی نے زبردستی بھگا دیا۔ زندگی نے زبردستی جینا سکھا دیا۔ اسے تو کبھی زندگی میں یہ موقع ہی نہیں ملا کہ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرے اور ستم تو یہ تھا کہ اسے کبھی اس بات کا احساس تک نہیں ہوا۔

اب جب احساس سوال بن کر کھڑا تھا تو اسے لگا وہ کبھی فیصلہ نہیں کر پائے گی۔

"تمہارا فیصلہ جو بھی ہو بس اتنا یاد رکھنا میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"اگر میں انکار کر دوں تو بھی؟" اسامہ نے اس بات سنی تو مسکرا کر سر نفی میں ہلایا۔

"اور نور؟"

"نور کیا؟"

"وہ تمہارے پاس واپس آنا چاہتی ہے۔ تم اس سے محبت نہیں کرتے کیا؟"

"محبت تو میں صرف تم سے کرتا ہوں۔"

"لیکن وہ تو بہت خوبصورت ہے۔" دینہ نے حیرت سے اپنی آنکھیں پوری کھولیں۔

"خوبصورتی سے محبت نہیں ہوتی، اس کی صرف چاہت ہوتی ہے اور چاہت کے مل جاتے ہی وہ دھیرے دھیرے اپنے نقش خود ہی مٹا دیتی ہے۔ چاہت تو صرف نفس کا احساس ہے اور محبت۔" اس نے دھیرے سے

دینہ کا ہاتھ تھاما۔ "محبت تو روح کا رشتہ ہے۔ محبت نہ مرتی ہے نہ مٹتی ہے بس روح میں رچ بس جاتی ہے۔"

"تم دونوں کیوں الگ ہو گئے تھے؟" دینہ نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑوایا۔ وہ یہ ہاتھ اب بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

"جب اس نے یہ بتا دیا تھا کہ ہم ساتھ تھے تو یہ بھی پوچھ لیتی کہ آخر الگ کیوں ہو گئے۔"

"تم سے پوچھ رہی ہوں ناں۔"

"شادی دو انسانوں کو زندگی کے مدوجزر کا ساتھی بنانے کے لیے ہوتی ہے۔ میاں بیوی زندگی کے اتار چڑھاؤ میں ہاتھ تھامے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں مگر وہ تو اڑنا چاہتی تھی۔ آکاش کو چھونا چاہتی تھی اور میں اس کی پرواز کی بلندی میں رکاوٹ بن کے کھڑا تھا۔ وہ آسمان میں اڑنا چاہتی تھی اور میں خاک میں بسنا چاہتا تھا جب راستے ہی الگ تھے تو ہم ایک ساتھ کیسے رہ سکتے تھے؟"

"تم نے اس کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ راستہ بدل لیتے۔"

"وہ خاک کا بوجھ لے کر آسمان کی بلندیوں کو نہیں چھو سکتی تھی اور میں اسے اپنے ساتھ زمین پر گھسیٹنا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ آسمان کی بلندیوں کو چھو کر معراج حاصل کر لے، ڈرتا تھا کہ کہیں میری وجہ سے اس کی زندگی تمنا لاحاصل نہ بن جائے۔"

"تم واقعی اتنے عظیم ہو یا پھر کوئی ڈائیلاگ بول رہے ہو؟" دینہ کے شکی انداز پر اسے ہنسی آ گئی۔ "اور تم نے اپنی ممی کو یہ کیا قصہ سنایا ہے؟" دینہ کو یک دم یاد آیا۔

"ہماری شادی کا بتایا ہے اور کیا قصہ ہے؟" اسامہ اس کی حیرت پر حیران ہوا۔

"او ہیلو، پہلے مجھ سے تو یہ قصہ شیئر کر لیتے۔"

"یار عجیب ہی ہو تم۔" اسامہ بھنایا۔ "دن رات تو منتیں کر رہا ہوں تمہاری اور کیا شادی کا کارڈ چھپوا کر پوچھوں؟"

"شادی کی بات کب کی تم نے؟"

"یار ڈی، ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں تمہارا۔ تمہارے ساتھ تمہارے گھر میں اکیلے رہتے ہوئے تمہیں بھگانے

کے لیے ہاتھ تھاموں گا کیا؟" اب اس بات میں تو خوب منطق تھی۔ دینہ نے جب ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچا تو شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ وہ منہ بنا کر اٹھ گئی۔

"اب یہ کیا حرکت ہے بات کر رہا ہوں ناں تم سے۔" اسامہ نے اسے لاؤنج کی طرف جاتے دیکھا تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ دینہ نے اسے مکمل طور پر نظرانداز کر دیا۔ جب اس نے لاؤنج کی حالت درست کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اسامہ نے اسے عجلت میں اپنی طرف موڑا۔ "ڈی مت ستاؤ مجھے، پلیز مان جاؤ۔"

"کیا چاہتے ہو تم؟" دینہ کے انداز میں بے رخی تھی۔

"مجھ جیسا ہینڈسم لڑکا اگر شادی کی آفر کرے تو سکتے میں آنا تو لازم ہے مگر اتنی بھی دیر نہ لگاؤ کہ میں تمہاری دماغی حالت پر شک کرنے لگوں۔" اسامہ کی مسکراتی آواز پر وہ بھنائی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"یہ بدتمیزی نہیں چلے گی۔ تمہیں میری عزت کرنی ہوگی۔"

"نہ منہ تے نہ متھاتے جن پہاڑوں لتھا۔" دینہ تیز لہجے میں بولی۔ "ابھی تو میں نے ہاں بھی نہیں کی پہلے ہی رعب جمانا شروع۔"

"یار، بس ایک عزت کا ہی تو تقاضا کیا ہے۔ میں نے کون سا کہا ہے کہ کچے گھڑے میں بیٹھ کر دریا پار کر جاؤ۔"

"خوش فہمی تو دیکھو سرکار کی، جیسے تم کہو گے اور میں چل پڑوں گی۔"

"بہت ہی بدتمیز ہو تم۔"

"تو میرے پیچھے کیوں پڑے ہو پھر؟"

"محبت کم بخت نے مت ماردی ہے میری اس لیے۔ سمجھتی ہی نہیں ہو۔ یار، پیار کرتا ہوں تم سے۔ تمہارے بغیر نہیں رہنا چاہتا۔ شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔" اسامہ چیخا۔

"ہاں تو جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟" دینہ نے اسے گھورا۔ جواباً جب اسامہ چپ رہا تو دینہ خودبخود ہی سنجیدہ ہوگئی۔ "تم کیوں نہیں سمجھ رہے ہو۔ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" دینہ بے بسی سے بولی۔

"تم جانتی ہو جب میں اسکول میں تھا تو مجھے ہسٹری سے نفرت تھی۔"

"تو؟" دینہ کو اس کی بات کا مقصد سمجھ نہیں آیا۔

"تو یہ کہ میں تمہاری ہسٹری میں بھی کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ مجھے اپنے حال اور تمہارے ساتھ کی فکر ہے صرف۔"

"لیکن اسامہ۔"

"یار پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔ بھئی میری فکر چھوڑ دو۔ تم اپنے بارے میں بتاؤ کیا تم میرے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہو؟"

"اسامہ اوہ۔۔"

"ہاں یا نہیں؟"

دینہ بے بسی سے اسامہ کی طرف دیکھا۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ اس کے ساتھ تو رہنا چاہتی تھی مگر اپنی قسمت سے ڈرتی تھی۔ جانتی تھی کہ زندگی میں کبھی اسے کوئی خوشی راس نہیں آئی۔

"بولو نہ ڈی؟" اسامہ بے صبری سے بولا۔

"رات میں دیر سے آؤ گے تو سوتے سے اٹھ کر کھانا نہیں دوں گی۔" دینہ نے شرط رکھی۔

"میرے بغیر نیند آ جائے گی تمہیں؟" اسامہ اس کی طرف جھکا۔

"تم کوئی سستی قسم کا نشہ ہو کہ تمہارے بغیر نیند نہ آئے۔"

اسامہ کو یقین نہیں آیا کہ اس کی اتنی رومینٹک بات کا جواب اس نے ایسے دیا ہے۔ "اور گھر کے سب خرچ تم کرو گے۔ کچن میں میری ہیلپ کراؤ گے اور اگر میرا دل نہیں چاہے گا تو کھانا باہر سے لاؤ گے۔"

"تم ایک کک رکھ لو اور بس بات ختم کرو۔" اسامہ جھنجھلایا۔

"شاپنگ؟"

"تم میرا کارڈ ہی رکھ لینا یار اور کوئی شرط؟"

"کسی سے فلرٹ نہیں کرو گے اور اس نورے تو کبھی نہیں ملو گے۔"

"بس رہنے دو مجھے نہیں کرنی شادی۔" اسامہ اتنی سنجیدگی سے کہہ کر مڑا کہ دینہ ایک لمحے کے لیے سمجھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے لیکن جب وہ پلٹا اور دینہ نے اس کے چہرے پر ہنسی دیکھی تو اسے ایسے گھورا جیسے کھا جائے گی۔

اسامہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے یہ دعا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ اس بار قسمت اس کے ساتھ کوئی بھیانک کھیل نہ کھیلے۔ اسامہ نے جب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیکھا تو اسے لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ اس نے نرمی سے اس کی انگلی میں انگوٹھی ڈال دی اور کسی خواب کی سی کیفیت میں اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے یہ سب سچ ہے۔" اس کی آواز میں اتنی محبت تھی کہ دینہ محبت کی شدت پر چونک گئی۔

"اتنا چاہتے ہو مجھے؟"

"چاہت بہت چھوٹا لفظ ہے۔ عشق کرتا ہوں تم سے۔ میری روح کی ساتھی ہو تم۔ تھینک یو۔" اسامہ نے اس کے ہاتھ پر بوسا دیا تو دینہ نے تیزی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچا۔

"اب یہ کیا ہے؟" اسامہ حیران ہوا۔

"جھاڑو لے کر آؤ۔ ابھی گھر بھی صاف کرنا ہے۔"

"تم پاگل ہو کیا۔ ابھی ابھی منگنی ہوئی ہے ہماری اور تم نے ابھی سے مجھ سے جھاڑو لگوانی شروع کر دی ہے۔ صبح کام والی کرے گی ناں، چلو ابھی ہم ممی سے ویڈیو کال کرتے ہیں۔" اس نے جیب سے فون نکالا۔

"بالکل نہیں۔ اتنی رات کو فون کرو گے تو وہ پریشان ہو جائیں گی۔" دینہ کے کہنے پر اسے احساس ہوا کہ رات بہت ہو گئی ہے۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن تم یہ جو کبھی کبھی عقل کی بات کرتی ہو تو اجنبی سی محسوس ہوتی ہو۔" دینہ نے جواب میں اسے گھورا، کہا کچھ نہیں تو وہ ہنس پڑا۔ "تم بیٹھو میں تمہارے لیے کھانا گرم کرتا ہوں۔"

"میں کرتی ہوں۔" دینہ کچن کی طرف بڑھی تو اسامہ نے اسے بازو سے پکڑ کر روک دیا۔

"تم میری نئی نویلی منگیتر ہو۔ میں گرم کرتا ہوں۔"

اسامہ کی بات پر دینہ ہنس پڑی۔

اگلی صبح اسامہ اپنا ٹویٹر استعمال کر رہا تھا جب دینہ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔ اسامہ نے اسے پریشانی سے انگلیاں مروڑتے دیکھا تو سب سے پہلے تو اس نے فکرمندی سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ انگوٹھی واپس کرنے تو نہیں آئی ہے۔ انگوٹھی اس کی انگلی میں دیکھ کر جب اسے تھوڑی تسلی ہوئی تو اس نے فون بیڈ پر رکھتے ہوئے اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی۔

"وہ اسامہ تمہارے گھر والے تو مجھے کبھی ملے بھی نہیں۔ اگر انہیں میں پسند نہ آئی تو؟"

اس کے سوال پر اسامہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور سوچا کہ وہ اپنے حسن سے کس قدر بے خبر ہے۔ بڑی بڑی گہری سبز آنکھیں، شفاف رنگت، گلابی ہونٹ اور اس کے اندر کوٹ کوٹ کے بھری معصومیت کے اوپر خوش مزاجی اور بہترین اخلاق۔

"کوئی پاگل ہی ہوگا جو تمہیں پسند نہ کرے۔" اسامہ کے کہنے پر دروازے میں کھڑی دینہ اندر آگئی اور اس کے سامنے بستر پر بیٹھ گئی۔ کس قدر بے تکلفی تھی اس کے انداز میں۔ اسامہ سوچ کے مسکرایا۔

"نہیں تم سمجھ نہیں رہے ہو۔" دینہ نے فکرمندی سے کہا تو اسامہ نے اسے کسی معصوم بچے کی طرح بہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا، پھر سمجھاؤ مجھے۔"

"میرے تو گھر والے بھی نہیں ہیں۔"

"اچھا ہے سسرال کی کوئی جھنجٹ ہی نہیں ہوگی۔" اسامہ کے انداز میں ذرا برابر بھی سنجیدگی نہیں تھی۔

"اسامہ، میں بہت سنجیدہ ہوں۔" دینہ غصے سے بولی۔

"میں بھی تمہارے لیے بہت سنجیدہ ہوں جان۔" اسامہ نے ہنسی چھپائی۔

"مت مذاق کرو۔" دینہ جھنجھلائی۔ "تمہاری ممی اور بہن کیا کہیں گی؟"

"وہ تو بہت خوش ہونگی، تم پر جی بھر کر ساس نند ظلم کریں گی اور تمہیں کوئی بچانے والا بھی نہیں ہوگا۔ انہیں اور کیا چاہیے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" دینہ تھوڑا ڈری۔ ایسا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اسامہ کو اس کے ڈرنے پر ہنسی

آ گئی تو اس نے اس کا ہاتھ تھاما اور ہنستے ہنستے بولا۔

"یار، وہ تمہارے بارے میں سب جانتی ہیں۔آج سے نہیں پہلے دن سے۔میری لمبی لمبی فون کالز میں سب سے زیادہ ذکر تمہارا ہی ہوتا تھا۔مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ میں کب سے تم سے محبت کر رہا ہوں۔"

"اچھا ہاتھ چھوڑو۔" دینہ اس کے رومینٹک موڈ سے گھبرائی۔اس نے وہاں سے اٹھ کر جانا چاہا۔

"چھوڑ دیتا ہوں یار مگر ادھر ہی بیٹھو مجھے بات کرنی ہے تم سے۔" اسامہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر تھوڑا پیچھے ہٹا کیونکہ اس نے کبھی بھی دینہ کی اس طرح ہوائیاں اڑتی نہیں دیکھی تھیں جیسے اس کے قریب ہونے پر اڑتی دیکھیں۔

"کیا بات؟"

"تم جانتی ہوناں مجھے اسلام آباد جانا ہے۔"

دینہ کے چہرے سے ایک دم رنگ اڑ گیا۔

"تم نے کہا تھا تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔" وہ بوکھلائی۔

"ہاں تو میں کب تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔تم میرے ساتھ چلو۔"

دینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نہیں جا سکتی۔" دینہ کے لہجے میں اتنا خوف تھا کہ اسامہ نے اسے حیرت سے دیکھا اور بامشکل ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔خاص کر جو کل ہوا اس کے بعد تو ہرگز نہیں۔ہم جاتے ہی شادی کر لیں گے۔"

"لیکن ہم یہاں کیوں نہیں رہ سکتے؟" دینہ کسی صورت جانے کو تیار نہیں تھی۔

"میری فلم کی شوٹنگ اسلام آباد اور نارتھ میں ہونی ہے۔اب کراچی میں نہیں رہ سکتا میں۔ممی بھی بہت اکیلی ہیں۔ہم مل کر رہیں گے تو وہ بھی اکیلی نہیں رہیں گی۔"

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے۔" دینہ کو اپنا گلا خشک ہوتا محسوس ہوا۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ اسامہ کو کیسے سمجھائے کہ اسلام آباد میں سکندر بھائی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔

"ہم سب مل کرادھر ہی رہ جاتے ہیں ناں۔" اس کے لہجے کے خوف اور ہچکچاہٹ کو اسامہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"فلم کی شوٹنگ میں ایک سال سے بھی زیادہ کا وقت لگ جائے گا دینہ اور میں ایک سال تو کیا ایک پل بھی تم سے الگ نہیں رہ سکتا ہوں۔"

"میں اسلام آباد نہیں جا سکتی اسامہ۔" الفاظ بامشکل دینہ کے لبوں سے آزاد ہوئے۔ وہ اسامہ کی مزید کوئی بھی بات سنے بغیر کمرے سے چلی گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے اس کا دل چاہا وہ چیخ چیخ کر پوری دنیا کو آگ لگا دے۔ اس نے کیسے یقین کر لیا تھا کہ قسمت ایک بار پھر اسے نہیں آزمائے گی اور اتنی آسانی سے خوشی اس کے نصیب میں لکھ دے گی۔ آنسو تھے کہ دریا کی طرح بہہ نکلے۔ اسامہ کے بغیر زندگی محال لگ رہی تھی۔

"اگر اس کے بغیر جی نہیں سکتی تو اس کے لیے مر تو سکتی ہو۔" دل نے فریاد کی اور اس کے اندر خاموشی چھا گئی۔ "اگر اس کے ساتھ چلی گئی تو شاید ایک ہی دفعہ مرو گی لیکن اگر اسے چھوڑ کر یہاں رہ گئی تو ہر پل مرو گی پھر بھی نہ مکمل جی پاؤ گی اور نہ مکمل مر پاؤ گی۔" اندر کی آواز مضبوط سے مضبوط ہو رہی تھی۔ "اسے چھوڑ دیا تو زندہ تو ویسے بھی نہیں رہو گی تو زندگی کا کیا کرو گی؟"

دل اور دماغ میں آئے بھونچال کو اس سوال نے روک دیا۔ دینہ نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور فیصلہ کر کے کمرے سے باہر نکلی۔ کچن سے آتی آوازیں سن کر وہ کچن کی طرف ہی بڑھ گئی۔

"چائے بنا رہا تھا تمہارے لیے۔" اسامہ نے اس کے لیے اور اپنے لیے چائے پیالیوں میں ڈالی اور اس کی طرف مڑا۔

"روئی ہو کیا؟" اس کی سوجی گلابی آنکھیں دیکھ کر اس کا دل بے چین ہوا۔

"میں یہ کہنے آئی تھی کہ میں۔۔"

"شش۔" اسامہ نے اس کی بات کاٹ کر اسے چپ کروایا۔ "تمہارے لیے تو میں ساری دنیا چھوڑ سکتا ہوں یہ تو صرف ایک فلم ہے۔ میں فلم نہیں کرونگا لیکن تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"نہیں ایسے مت کہو۔ میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ تم دنیا میں کہیں بھی لے جاؤ تو میں جانے لیے تیار ہوں بس تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

اس کی بات سن کر اسامہ کا دل تیزی سے دھڑکا اور جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے۔ آج سے پہلے اس نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ وہ اپنی بھاری پلکیں جھکائے اس کے دل کی حالت سے بالکل ہی بے خبر کھڑی تھی۔

"آر یو شیور؟" اسامہ نے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ دینہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

☆......☆......☆

کراچی سے اسلام آباد کی فلائٹ کے دوران وہ جتنی نروس اور پریشان تھی اتنی تو کبھی نہیں ہوئی۔ کبھی یہ خیال آتا کہ اسامہ کی ممی اسے ریجکٹ کر دیں گی تو کبھی یہ خیال آتا کہ ائیر پورٹ پر سکندر بھائی پستول لے کر کھڑے ہوں گے۔ کبھی یہ خیال آتا کہ صفدر ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر لے جائیں گے کہ یہ میری منگیتر ہے تو کبھی یہ خیال آتا کہ عالیان راستہ روک کر اسامہ کو سب بتا دے گا۔

دینہ کا دل چاہا کہ وہ زور زور سے روئے۔ اسامہ اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھا وہ مسلسل اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ کی یقین دہانی کروا رہا تھا لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر ایسی کیا وجہ ہے کہ وہ اس قدر بے چین ہے۔ اس نے آج سے پہلے دینہ کو کبھی اتنا گھبرایا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ اس نے تو دینہ کو ہر مشکل کا مقابلہ بہادری سے کرتے دیکھا تھا۔ درحقیقت وہ دینہ سے بہت متاثر تھا مگر آج تو اس کی پریشانی کی انتہا ہو گئی تھی۔ اس نے روتی شکل تو بنائی ہوئی تھی مگر روئی نہیں تھی اور اسامہ کو ڈر تھا کہ آنسو کسی بھی لمحے آنکھوں کی سرحدیں پار کرتے اس کے گالوں پر پھیل جائیں گے۔

اللہ اللہ کر کے جب وہ فلائٹ سے اترے تو دینہ کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ اسامہ کے ڈرائیور نے انہیں دیکھا تو فوراً ہی آ کر ان کا سامان ڈکی میں رکھا اور ائیر پورٹ سے گھر تک کا سفر دینہ کو زندگی کا طویل ترین سفر محسوس ہوا۔ جب گاڑی پورچ میں رکی اور گیٹ بند ہو گیا تو دل کو یہ تسلی ہوئی کہ وہ کسی کی گولی کی زد میں نہیں آئی لیکن وہ اسامہ کی ممی اور بہن سے ملنے کے حوالے سے اتنی نروس تھی کہ جب اسامہ گاڑی سے اتر گیا تو وہ گاڑی میں ہی بیٹھی رہی۔ اسامہ نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"مجھے اندر نہیں جانا اسامہ۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"کیا ہو گیا ہے یار۔"

"انہیں میں اچھی نہیں لگوں گی۔" دینہ نے فکرمندی سے کہا تو اسامہ نے اس کا ٹھنڈا پڑتا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے گاڑی سے اتارا۔

"ان کے بیٹے کو اچھی لگتی ہو یہ کافی نہیں ہے؟" وہ گاڑی کا دروازہ بند کر کے اس کی طرف جھکا۔

"تم جیسے لنگور کو تو کوئی بھی اچھا لگ سکتا ہے۔" وہ پریشانی سے تیز آواز میں بولی تو اسامہ کا قہقہہ فضا میں بلند ہو گیا۔

"چلو آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف لے گیا۔ ابھی وہ دروازے میں ہی تھے کہ اس کی ممی اور بہن دونوں آگے بڑھیں۔

"رک جاؤ۔"

ان کی آواز پر دینہ کو لگا وہ ابھی اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیں گی۔ وہ کچھ غیر محسوس طور پر اسامہ کے پیچھے ہو گئی۔ اسامہ اس کے نروس ہونے پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

"بہو بیگم ذرا سامنے آ کر دیدار تو کرواؤ۔" اس کی ممی کا انداز مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔ اسامہ خود ہی ایک قدم ہٹا کیونکہ دینہ کو تو ایسا کوئی ارادہ نہیں لگ رہا تھا۔

"ماشاءاللہ۔ بہت ہی خوبصورت ہو۔" انہوں نے اسے گلے سے لگایا تو دینہ کا سانس بحال ہوا۔ "میں پہلے اپنی بہو کی نظر اتاروں، صدقہ دوں اور دعاؤں کا دم کروں پھر اندر چلیں گے۔ اتنی خوبصورت ہو کہ میری نظر ہی نہ لگ جائے تمہیں کہیں۔" ان کے لہجے میں اتنی اپنائیت تھی کہ دینہ کی آنکھوں میں خود بخود آنسو آ گئے۔

اسامہ کی بہن مینال نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلاتی ہوئی اسے اندر لے گئی۔ اسامہ اور ممی پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

"کیسی ہے؟" اسامہ نے جھک کر ماں کے کان میں سرگوشی کی تو انہوں نے مسکرا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"چاند سورج کی جوڑی ہے۔ ماشاءاللہ بہت خوبصورت ہے۔ تم خوش ہو؟"

"اتنا کہ سب خواب سا لگ رہا ہے۔" اسامہ نے ماں کے گرد بازو پھیلائے اور دونوں مسکراتے ہوئے

لاؤنج میں آ گئے۔ دینہ صوفے پر بیٹھنے ہی والی تھی کہ مینال کے شوہر طاہر کو دیکھ کر اس نے انہیں جھٹ سلام کیا۔ ان کے پیچھے کسی سیلاب کے ریلے کی طرح ان کے تین بچے لڑتے جھگڑتے چیختے چلاتے داخل ہوئے۔ ان کا رخ ان کی ماں کی طرف تھا لیکن اس سے پہلے وہ اپنی شکایتوں کی پٹاری کھولتے دینہ کو دیکھ کر چپ ہو گئے۔ مینال نے انہیں سلام کرنے کو کہا تو انہوں نے شرماتے ہوئے سلام کیا البتہ ماموں کو دیکھ کر تو وہ تینوں اس کی گود میں چڑھ گئے۔

کھانے کے بعد مینال دینہ کو اس کے کمرے میں لے گئی۔ کمرے کی تنہائی میں وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ یادوں کی بارات نے دل میں عجیب سی بے چینی بھر دی تھی۔ آخری دفعہ وہ اسلام آباد اپنی شادی کا جوڑا خریدنے آئی تھی۔ اس کی امی اور بھابھی اس پر واری صدقے جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ سکندر بھائی اسے سارا دن شاپنگ کے لیے گھماتے رہے تھے۔ ان کے ماتھے پر ایک بھی بل نہیں آیا تھا۔ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے اسے ڈھیر ساری دعائیں دی تھیں۔ اسے پارلر نہ پا کر وہ کتنا پریشان ہوئے ہونگے۔ دینہ نے نم آنکھوں کے ساتھ سوچا۔ کیسی رات تھی جو اسے زندگی بھر کے لیے اس کے اپنوں سے دور کر گئی تھی۔

نیچے اس کی شادی کی تاریخ کی باتیں چل رہی تھی۔ شادی کی تیاریوں کے لیے پلان بنائے جا رہے تھے۔ اسامہ کے تو سب اپنے اس کے ساتھ تھے مگر وہ بالکل تنہا تھی۔ اس کا تو کوئی اتنا بھی اپنا نہیں تھا جس سے شادی کی تاریخ طے کی جا سکتی۔ جب اسامہ کی ممی نے اس سے پوچھا تو وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی کہ جیسے آپ کی مرضی۔ دل غم سے پھٹ رہا تھا۔ آج ماں کی یاد شدت سے آئی تھی۔ آج سالوں کے بعد ماں کی گود میں سر رکھ کر رونے کے لیے دل پھر سے تڑپا تھا۔ کاش آپ مجھ پر یقین کرتیں تو میں آپ کو بتاتی کہ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں آج بھی اس گناہ کی سزا بھگت رہی ہوں جو میں نے کیا ہی نہیں۔ دینہ بستر پر بیٹھ گئی۔ دل میں گھٹن جب حد سے بڑھ گئی تو وہ ٹوٹ کر روئی۔

اسامہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا تو دینہ بیڈ پر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں کہنے آیا تھا کہ باہر آ جاؤ۔ باجی بلا رہی ہیں۔ تمہارا ڈریس وہ خود ہی ڈیزائن کریں گی۔" مینال بہت

مشہور ڈیزائنر تھی۔

"ہاں چلو، میں منہ دھو کر آتی ہوں۔" دینہ نے اس سے نظریں چرائیں۔

"ایک منٹ۔" اسامہ اس کی بھاری آواز سن کر چونکا اور اسے جاتے جاتے روکا۔ "ادھر دیکھو۔"

"میں آتی ہوں ناں اسامہ۔" دینہ نے پلکیں نہیں اٹھائیں۔

"رو رہی تھی تم؟" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" دینہ نے یہ کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا لیکن آنسو خود بخود ہی گالوں پر بہنے لگے۔

"کیوں رو رہی ہو ڈی؟" اسامہ نے اس کا چہرہ اونچا کیا تو اس کی آنکھوں میں پھیلے درد سے اسے اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ دینہ کچھ بھی نہیں بولی۔ اس نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اسامہ اسے روتے دیکھے مگر کم بخت آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے میری جان؟ کچھ برا لگ گیا ہے تمہیں؟"

دینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہارے رونے سے تکلیف ہوتی ہے مجھے۔ اگر کسی کی کوئی بات بری لگی ہے تو میں معافی مانگتا ہوں۔ میں بات بھی کروں گا لیکن بتاؤ تو سہی کہ آخر کیا برا لگا ہے تمہیں؟" اسامہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" دینہ بامشکل بول پائی۔

"پھر؟"

"میں۔۔۔میں شادی میں کتنی اکیلی ہونگی۔ میرے ساتھ تو کوئی بھی نہیں ہوگا۔" اس کے کہنے کے ساتھ اس کے رونے میں اتنی شدت آئی کہ اسامہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کا درد اسامہ اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے قرآن کے سائے میں رخصت کرنے کے لیے نہ تو میرے بھائی ہونگے نہ ابا۔ مجھے گلے لگانے کے لیے نہ امی ہونگی نہ بھابھی۔ میں کتنی تنہا ہوں گی۔"

اسامہ نے اسے رونے دیا تا کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ وہ جانتا تھا شادی وہ موقع ہوتا ہے جب لڑکیاں ویسے ہی بہت جذباتی ہوتی ہیں اور دینہ کا تو اس لمحے تنہا محسوس کرنا اور غم سے نڈھال ہونا فطری تھا لیکن جب اس کا رونا حد سے بڑھ گیا اور اسامہ مزید برداشت نہیں کر سکا تو اس نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا اور اس کا چہرہ صاف کیا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

" گول گپے کھاؤ گی؟"

اسامہ جانتا تھا کہ وہ کتنا بھی اداس ہو گول گپوں کی آفر سے وہ ہمیشہ خوش ہو جاتی تھی۔ اگر چہ اس لمحے دل جس تکلیف پر دکھ رہا تھا اسے تو کوئی بھی دور نہیں کر سکتا تھا مگر دینہ اس کی پر سوچ آفر پر روتے روتے ہنس پڑی۔

☆......☆......☆

گھر میں تیاریاں پورے زور و شور سے جاری تھیں۔ پچھلے کئی دنوں سے بازار کے چکر دن رات لگ رہے تھے۔ مینال کی اور اس کے بچوں کی تیاریاں تو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ جو وقت بچ جاتا اس میں وہ دینہ کو لے کر پارلر چلی جاتی۔ اسامہ کچھ اپنی فلم کی تفصیلات کچھ شادی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ شادی میں صرف دو ہی دن باقی تھے۔ اسامہ نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ نکاح میں صرف قریبی دوستوں کو بلائے گا۔ وہ دینہ کے لیے کسی قسم کی تکلیف نہیں چاہتا تھا البتہ ولیمہ اس نے بڑے پیمانے پر ارینج کیا تھا۔

گھر میں قریبی رشتے دار آ کر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اسامہ کی پوری فیملی اتنی نفیس تھی کہ دینہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی قسمت اتنی اچھی کیسے نکلی ہے۔ اسامہ لان میں دوستوں کے بیچ بیٹھا تھا اور دینہ ٹیرس پر کھڑی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ دیکھنے میں اتنا ہینڈسم تھا کہ اسے پہلی دفعہ دیکھ کر دینہ چند لمحوں کے لیے سانس ہی نہیں لے پائی تھی۔ وہ جب اسے دیکھتی تھی اس کا دل ایک انوکھی لے پر ہی دھڑکنے لگتا تھا اور وہ سوچتی ہی رہ جاتی تھی کوئی مرد اتنا حسین کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی ہلکی بھوری آنکھیں دل میں اترتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس کا قد اتنا اونچا تھا کہ وہ اکثر اس کے سامنے خود کو بونا محسوس کرتی تھی اور اس کے مضبوط بازوؤں نے جو تحفظ دیا تھا اسے وہ تو آج تک اس نے کسی کے ساتھ محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کے سینے پر جب بھی سر رکھتی تھی، دل سے ہر بوجھ اترتا جاتا تھا اور وہ اسے اتنا خاص محسوس کرواتا تھا جیسے وہ زمین پر چلتی انسان نہ ہو کوئی آسمان سے اترتی حور

ہو۔اس نے اسے اللہ سے مانگا تو نہیں تھا لیکن وہ رب تو دلوں کے حال سے واقف ہوتا ہے۔اس کے دل کی مراد اس کے ہر خدشے کے باوجود ایسے پوری ہوئی تھی کہ وہ دور بیٹھے اس اتنے ہینڈسم شخص کو کسی قدر بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔دل کبھی خوشی سے ابھر رہا تھا اور کبھی خدشے سے ڈوب رہا تھا۔وہ یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی کل شام وہ اس کے نام کی مہندی لگائے گی اور اس کے نکاح میں بندھ جائے گی۔اس کا نام اپنے نام کے ساتھ جڑنے کا احساس اتنا خوبصورت تھا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔" ممی کی آواز سے اس کی محویت ٹوٹی۔دینہ نے کچھ شرمندہ ہو کر اپنی نظریں جھکا لیں۔وہ جانے کب سے اسے اسامہ میں کھوا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

"وہ ایک دفعہ ٹوٹ کر جڑا ہے لیکن تم سے پہلے میں نے کبھی اسے کسی کے لیے اتنا دیوانہ ہوتے نہیں دیکھا۔ نور کو میں نے اس کے لیے پسند کیا تھا۔"

دینہ نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"وہ اس کی بہت عزت کرتا تھا۔آج بھی کرتا ہے لیکن اس کی آنکھوں میں جو تڑپ تمہارے لیے ہے وہ میں نے کسی کے لیے بھی نہیں دیکھی۔تمہیں دیوانوں کی طرح چاہتا ہے۔تمہارے انکار پر مجھے فون کر کے بچوں کی طرح رویا تھا۔آخری دفعہ وہ اپنے بابا کے جانے پر ایسے رویا تھا۔" ممی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"میں تم سے التجا کرنے آئی تھی کہ اسے کبھی جدائی کا غم نہ دینا۔وہ سہہ نہیں پائے گا۔مجھے فکر تھی کہ تم اس سے اتنی محبت کرتی بھی ہو جتنی وہ تم سے کرتا ہے کہ نہیں لیکن تمہاری نظر میں آج جو دیکھا ہے میں نے اس سے یقین ہو گیا ہے کہ تم بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی وہ تم سے کرتا ہے۔"

دینہ نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔انہوں نے مسکرا کر اس کے ماتھے پر بوسا دیا۔"چاہو تو ممی کہہ سکتی ہو۔" ان کے کہنے پر دینہ ان کے گلے سے لگ گئی۔

دینہ بہت دیر تک ٹیرس پر بیٹھی رہی تھی۔اس نے کراچی میں یہ خنکی کا موسم بہت مس کیا تھا۔ابھی اگرچہ نومبر تھا۔مگر شامیں ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔اپنے گرد شال درست کرتے دینہ نے شام اترتے دیکھی۔اترتی شام اسے ہمیشہ ہی بہت اداس اور تنہا لگتی تھی لیکن دل نے نوید دی کہ یہ آخری شام ہے جو تنہا اور اداس ہے۔کل سے وہ

اسامہ کے ساتھ ہوگی۔ وہ مسکراتے ہوئے اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ لابی سے گزر رہی تھی جب کسی نے اسے کمرے کے اندر کھینچا۔ ایک لمحے کو تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا لیکن جب ہوش ٹھکانے آئے تو اسامہ کو اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر وہ غصے سے بھنائی۔

"کیا بدتمیزی ہے اسامہ؟"

"جانتی ہو کتنے دن ہو گئے ہیں ہمیں بات کیے؟" اسامہ نے بازو اپنے سینے پر باندھے۔

"تم تو بالکل ہی پاگل ہو۔ سارا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور تمہاری ممی نے منع کیا تھا ناں تمہیں میرے گرد منڈلانے سے۔" دینہ نے انگلی اٹھا کر اسے یاددہانی کروائی۔ "اب میں جا رہی ہوں۔"

"بالکل بھی نہیں۔" اسامہ اس کے سامنے آ گیا۔

"کیا کر رہے ہو کسی نے دیکھ لیا تو کیا کہیں گے سب؟" دینہ گھبرائی۔

"یہی کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ پایا۔" اسامہ اس کی طرف جھکا تو دینہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا

"ہٹو بھی اسامہ" دینہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کرنے کی کوشش کی مگر وہ ایک انچ بھی نہیں ہلا۔

"مجھے چھپ چھپ کر دیکھتی ہو جب سامنے آتا ہوں تو نظریں کیوں چراتی ہو؟" اسامہ اس کے مزید قریب ہوا۔ اس کی گہری آواز دینہ کے دل کے تار چھیڑ گئی۔

"میں کیوں دیکھوں گی تمہیں چھپ چھپ کر؟" دینہ کی ڈوبتی آواز اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"یہی تو پوچھ رہا ہوں۔" اسامہ اس کی طرف جھکا۔ اس کی گرم سانسیں دینہ کی گردن کو چھو رہی تھیں۔ دینہ کے گالوں پر لالی بکھرنا شروع ہو گئی تھی۔ دل اور سانسیں بے قابو ہو گئی تھیں۔ اس کی آواز میں جو جادو تھا وہ دینہ کو اپنے حصار میں لے رہا تھا۔

"جانے دو مجھے۔" دینہ نے سائیڈ میں ہو کر جانا چاہا تو اسامہ نے اس نے اسے کلائیوں سے پکڑ لیا۔

"ہرگز نہیں۔ پہلے بتاؤ ٹیرس پر کھڑی جب مجھے دیکھ رہی تھی تو کیا سوچ رہی تھی۔"

دینہ تو اس خیال سے شرم سے دوہری ہو رہی تھی کہ اسامہ نے اسے اپنی طرف اتنی محویت سے دیکھتے دیکھ لیا ہے۔ وہ اپنی کلائیاں چھڑوانے کی کوشش کرتی ہوئی اس کی قربت سے سخت گھبرا رہی تھی۔ اسامہ ہر پل کے ساتھ

اپنے اور اس کے بیچ کر دوری مزید کم کر رہا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک جہاں دینہ کو غنیمت لگی وہیں اسامہ آنے والے پر بے اختیار جھنجلایا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" ممی نے دونوں کو ساتھ دیکھا تو سخت آواز میں پوچھا۔ دینہ کی تو جان ہی نکل گئی۔

"ک۔۔۔ک۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔" وہ سخت گھبراتے ہوئے بولی۔ اسامہ نے بھنویں چڑھاتے ہوئے اپنے بازو سینے پر باندھے۔

"تو تم یہاں کیوں ہو؟"

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ۔۔۔ اسامہ۔۔۔ وہ۔" اسے سمجھ نہیں آئی کہ مزید کیا کہے۔ وہ سر جھکائے انگلیاں مروڑتی رہی۔

"جاؤ یہاں سے۔" ان کے کہنے پر دینہ بجلی کی سی تیزی سے وہاں سے بھاگ گئی۔

"کیوں کرتی ہیں ایسا یار؟ آپ کو کیدو بننے کا پتا نہیں کیا شوق ہو گیا ہے۔" اس نے ماں کو گھورا جو کہ ہنسی چھپانے کی اپنی سی کوشش کر رہی تھیں۔ "جانتی ہیں ناں وہ ڈرتی ہے آپ سے؟"

"جب تک ڈرتی ہے تب تک تو ڈرانے دو۔" وہ ہنسیں۔

"ناٹ فیئر۔"

"میرے رانجھے، یہ تمہارے کپڑے استری ہو کر آ گئے ہیں اور فکر نہ کر وکل سے وہ صرف تمہاری ہے۔" وہ مسکرائیں تو اسامہ بھی مسکرانے لگا۔

☆......☆......☆

دینہ کو نکاح نامے پر دستخط کرنے کے لیے کہا گیا تو آنسو بے اختیار ہی نکل آئے لیکن دینہ نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ آج کے دن کسی بھی درد سے ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی۔ آج تو وہ اپنی محبت پانے جا رہی تھی۔ اس نے آنسو صاف کیے اور نظر اٹھا کر اپنے سے الٹے رخ پر بیٹھے اسامہ پر ڈالی۔

بہت ہی ہلکے گولڈن اور کریم کے درمیانی رنگ کی شیروانی پہنے، سر پر لال رنگ کا کلا باندھے، اپنے ہلکے بھورے رنگ کی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہا تھا۔

"اگر کوہ قاف کے شہزادے سچ ہوتے اس کے جیسے ہی ہوتے۔" دینہ نے تیز دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا۔ وہ پین اپنے ہاتھوں میں گھما رہی تھی اور سب اسکے دستخط کرنے کا انتظار کر رہے تھے اور وہ اس پل کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر بس اسے دیکھے جا رہی تھی اور یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ خواب ہے یا حقیقت۔

"کیا ہوا بیٹی؟" ممی اس کی طرف جھکیں۔

"یقین نہیں آ رہا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت۔" اس نے کنفیوز سے نظروں سے انہیں دیکھا۔

وہ یہ سن کر مسکرائیں۔

"ابھی تک تو خواب ہے تم دستخط کر کے حقیقت بنا دو۔" انہوں نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے تو سب نے مبارکباد دی، دعا کی اور دونوں کو ساتھ بٹھا دیا۔

"اتنا سوچ کیا رہی تھی؟" اسامہ نے تصویریں کھنچواتے ہوئے سرگوشی کی تو دینہ نے مسکرا کر سر نفی میں ہلایا۔

"ممی سے کیا کہہ رہی تھی؟" اس نے کچھ دیر بعد پھر پوچھا تو اس نے دوبارہ سر نفی میں ہلایا۔

"بھائی، سامنے بھی دیکھ لے۔ ساری تصویریں بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے آ رہی ہیں۔" اس کے دوست نے آواز لگائی تو دینہ سمیت سبھی ہنس پڑے۔ اسامہ نے اسے گھورا۔

اسامہ جتنی بے تابی سے اپنے کمرے میں جانا چاہ رہا تھا اتنا ہی وہ دوستوں میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اسے تنگ کرنے کی غرض سے اسے گھیرے بیٹھے تھے۔

دینہ کو امید نہیں تھی کہ اسامہ کمرے کو اتنا سجائے گا۔ کمرے میں ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ پھولوں کی خوشبو سے مہکتے کمرے میں اتنی موم بتیاں جل رہی تھیں کہ کمرے میں اور کسی روشنی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مینال نے اسے بیڈ پر بیٹھنے کو کہا تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔ اسے کمرے میں آتے ہی گھبراہٹ نے آ لیا تھا۔ دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مینال نے اسے پانی دیا اور پوچھا کہ اسے اور کچھ چاہیے کیا۔ جب دینہ نے نفی میں سر ہلایا تو وہ کمرے سے چلی گئی۔

اسامہ کو بالآخر مینال نے آ کر دوستوں کے چنگل سے آزاد کروایا۔ وہ مینال کی طرف شکرگزار نظروں سے دیکھتا ہوا وہاں سے بھاگا کہ کہیں دوست پھر نہ پکڑ لیں۔ کمرے کے باہر رک کر اس نے گہرا سانس بھرا۔ اتنا

نروس تو وہ کبھی زندگی میں نہیں ہوا تھا۔اس نے دھیرے سے کمرے کا دروازہ کھولا اور تیز دھڑکتے دل کو قابو کر کے اندر داخل ہو گیا۔امید کے برعکس جب دینہ کو بیڈ پر بیٹھے نہیں پایا تو اس نے اس کی تلاش میں نظریں کمرے میں گھمائیں۔

وہ کمرے کے آخری کونے میں کھڑکی کے سامنے کھڑی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے خوف عیاں تھا۔اسامہ نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی طرف قدم بڑھائے۔سبز سے ملتے جلتے نیلے رنگ کی چست چولی اور بڑا گھیرے دار لہنگا پہنے،سر پر تیز پیچ رنگ کا دوپٹہ اوڑھے،کلائیوں میں چوڑیاں اور ہاتھوں میں لگی مہندی اور انٹیک سٹائل کے زیور پہنے وہ کوئی مغلائی شہزادی لگ رہی تھی۔اسامہ کو اپنا دل پسلیوں کے بجائے کانوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔اس نے اس سے کہنے کیلئے کتنی باتیں سوچی ہوئی تھیں۔مگر اسے دیکھ کر اس کا دماغ ایک دم خالی ہو گیا۔وہ اس کے سامنے کھڑا ہوا تو اسے لگا وہ پیچھے ہٹ جائے گی مگر وہ اپنی جگہ جمی کھڑی اسے دیکھتی رہی۔دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔الفاظ نے دونوں کا ہی ساتھ چھوڑ دیا تھا۔اسامہ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور مسکرایا۔

"اتنا نروس تو میں کبھی بھی نہیں ہوا۔تم میک اپ کر کے پہچانی جو نہیں جا رہی ہو۔"

اس کی بات پر دینہ نے مسکرا کر سر جھکایا۔

"تمہیں دیکھ کر میں ہمیشہ یہ سوچتا ہوں کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے؟"اسامہ نہ تو مزید قریب ہوا اور نہ ہی اسے چھونے کی کوشش کی۔

"تمہارا خاموش ہونا بھی ایک معمہ ہی ہے۔"وہ مسکرایا۔دینہ نے بامشکل ہنسی روکی۔

"خوبصورت ہونے کے ساتھ لڑکی خاموش ہو تو بیوی کی سی فیلنگز نہیں آتی ہیں۔"

دینہ مزید اپنی ہنسی نہیں روک سکی اور اس کی کھلکھلاتی ہنسی کا جادو کمرے میں پھیل گیا۔

"جانے وہ کون سا لمحہ تھا جب خدا نے تمہیں میرے نصیب میں لکھ دیا لیکن میں عمر بھر اس کا شکر گزار رہوں گا۔"اسامہ اس سے ایک قدم قریب ہوا۔دینہ نے اپنی پلکیں جھکا لیں۔"تم سے بہت بہت محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ تمہاری عزت کرونگا۔"اسامہ نے اس کے کانپتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔"یار اتنے ڈائیلاگ یاد کیے

تھے سب بھول گیا ہوں۔" اسامہ مسکرایا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ اس کے ہاتھ تھامے اسے بیڈ پر لے آیا۔

"یہاں بیٹھو۔" اس نے اسے بٹھا کر سائیڈ ٹیبل سے ایک ڈبہ نکالا۔ ڈبے سے اس نے لاکٹ نکالا۔

"یہ تمہارے لیے خریدا تھا میں نے۔" لاکٹ اس نے دینہ کے سامنے کیا۔ "دیکھو اس میں میرا اور تمہارا نام لکھا ہے۔ یہ میں نے خاص تمہارے لیے بنوایا ہے۔"

اس کے برابر بیٹھتے ہوئے لاکٹ اس نے دینہ کے ہاتھ میں پکڑایا۔ دل کی شکل میں بنے لاکٹ میں ہیروں کے بیچ ان دونوں کے نام لکھے تھے۔ دینہ نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو جھکانا بھول گئی۔

"جانتا تو میں ہوں کہ میں بہت ہینڈسم ہوں لیکن اگر تم کہہ دو گی تو کوئی حرج نہیں ہے۔" دینہ اس کی بات پر مسکرائی۔ "اب کچھ بول بھی دو یار۔ میں ہی بولے جا رہا ہوں۔"

"میں کیا بولوں مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔" دینہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"کس چیز کا؟" اسامہ حیران ہوا۔

"کہ تم خواب ہو یا حقیقت۔ دستخط کرنے سے پہلے بھی یہی سوچ رہی تھی اور ممی سے بھی یہی پوچھ رہی تھی۔ ممی نے کہا تم دستخط کرنے پر حقیقت بن جاؤ گے لیکن مجھے تو ابھی بھی خواب لگ رہے ہو۔"

اسامہ اس کے اعتراف پر ششدر رہ گیا۔

"تم سے پہلے کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ چاہت اور محبت میں کتنا فرق ہوتا ہے۔" دینہ نے اس کے شاکڈ چہرے کو نظروں کے حصار میں لیا۔ "محبت حقیقت بن جائے تو یقین کرنے میں کچھ وقت تو لگ جاتا ہے ناں۔"

"اوہ گاڈ۔" اسامہ نے گہرے گہرے سانس لیے۔ اس نے تو امید بھی نہیں کی تھی کہ دینہ اس طرح اپنے احساسات اس کے سامنے کھول کر رکھ دے گی۔ "مجھے لگ رہا ہے میری جان نکل جائے گی۔"

"مجھے بھی۔" دینہ مسکرائی۔

"میں تم سے بہت بہت محبت کرتا ہوں۔"

"میں بھی۔" دینہ نے پلکیں جھکائیں تو اسامہ نے اسے بانہوں میں بھرلیا۔

☆......☆......☆

جانے کتنے پل بیت گئے تھے۔ دینہ سوتے ہوئے اسامہ کو محویت سے دیکھ رہی تھی اور دل کو یقین دلا رہی تھی یہ خواب نہیں جو آنکھ کھلنے پر کھو جائے۔ دھیرے دھیرے اس کے بکھرے بالوں میں ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ خدا کا شکرادا کررہی تھی۔ زندگی کی ساری تکلیفوں کا آج آزالہ ہوگیا تھا۔

"آزمائشوں کا صلہ اتنا خوبصورت بھی ہوسکتا ہے۔" اس نے غیر یقینی سے سوچا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" اسامہ کی نیند کھلی تو اپنے بالوں میں چلتی اس کی انگلیاں محسوس ہوئیں۔ " کیا وقت ہوا ہے؟" اس نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تم سو جاؤ۔" دینہ نے اس کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم بھی سو جاؤ یار۔" اسامہ نے اسے خود سے قریب کیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

☆......☆......☆

گھڑی پر بارہ بجتے دیکھ کر اسامہ بستر سے اٹھ بیٹھا۔

"یار ڈی، اٹھ جاؤ۔ ممی انتظار کررہی ہونگی" اس نے سوتی ہوئی دینہ کو ہلایا۔ دینہ نے اس کی طرف کروٹ بدلی تو اسامہ ایک پل کے لیے محصور ہی ہوگیا۔ وہ اس کے اتنے قریب اور دسترس میں ہوگی یہ خیال بھی کوئی خواب سا ہی لگتا تھا۔ اس نے دھیرے سے اس کے بکھرے بال اس کے چہرے سے ہٹائے اور اس کا کندھا ہلایا۔ "ڈی اٹھو یار بارہ بج گئے ہیں"

"مجھے نہیں اٹھنا۔" دینہ نے اپنے چہرے پر چادر تان لی۔

"یار، ممی ناشتے پر ہمارا انتظار کررہی ہونگی۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"مجھے ناشتہ بھی نہیں کرنا۔"

"ڈی، پہلا دن ہے یار گھر میں سب مہمان بھی ہیں۔ اٹھ جاؤ ناں۔" اسامہ جھنجلایا۔

"اگر اب تم نے مجھے جگایا تو میں واپس کراچی چلی جاؤں گی۔" دینہ اتنا اچانک سر سے چادر اتار کر اس کی

طرف خطرناک انداز میں بڑھی کہ اسامہ غیر اختیاری طور پیچھے ہٹا۔ وہ واپس لیٹی تو اسامہ بس اسے گھور کر رہ گیا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک کے ساتھ ممی کی آواز آئی تو دینہ کے جسم میں بجلی کی سی حرکت آئی۔ اسامہ ابھی اٹھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ دینہ نے چادر ایک طرف پھینکی، بالوں میں ہاتھ چلاتی ہوئی دروازے کی طرف بھاگی۔ اسامہ اس کی حرکت پر حیران سا اسے دیکھے گیا۔

"بیٹے! سب ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔ تم لوگ آئے نہیں ابھی تک۔"

"میں تو کب سے اسامہ کو اٹھا رہی ہوں ممی، وہ اٹھ ہی نہیں رہا۔ دیکھیں ابھی بھی بستر پر ہی بیٹھا ہے۔" دینہ نے دروازہ کھول کر انہیں اسامہ کا دیدار کرایا۔

"کچھ تو خیال کرو اسامہ۔" ممی نے دیدار کے ساتھ ہی ناراضی کا اظہار کر دیا اور جلدی آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔ دینہ دروازہ بند کر کے مڑی تو اسامہ سے ٹکرا گئی۔ وہ خونخوار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ دینہ نے ہنسی چھپاتے ہوئے اسے دیکھ کر معصوم بننے کی ناکام سی کوشش کی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" اسامہ کاٹ کھانے کو دوڑا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" دینہ نے کندھے اچکائے۔ جب اسامہ نے بنا جواب دیئے اسے گھورا تو اس نے منہ بنا کر کہا۔ "اب بتاؤ میری عزت زیادہ اہم ہے یا تمہاری؟"

"میری۔" وہ بلا جھجک بولا۔

"بدتمیز۔ پہلے ہی دن سسرال میں ناک کٹ جاتی میری تو تم خوش ہوتے کیا؟" اس نے شکایتی انداز میں کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم جو ہو ناں سدھر جاؤ۔ ایسی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرو گی تو ڈانٹ کھاؤ گی مجھ سے۔" اسامہ ڈانٹتے ہوئے بولا تو دینہ کا منہ لٹک گیا۔

"کوئی ڈانٹتا ہے اپنی نئی نویلی دلہن کو۔ بتاتی ہوں ممی کو۔" دینہ نے رونے والا منہ بنایا تو اسامہ غصہ بھول بھال پریشان ہو گیا۔

"نہیں یار میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے اس کے ہاتھ پکڑنے چاہے تو دینہ نے اسے پیچھے کیا اور

ناراضگی سے بولی۔

"بس رہنے دو۔"

باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر گہری شرارتی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔اگر اسامہ دیکھ لیتا تو ہرگز اتنا دل گرفتہ نہ ہوتا۔

☆......☆......☆

وہ ہنی مون سے لوٹے تو اسامہ کی فلم کی شوٹنگ شروع ہوگئی۔وہ دن رات اتنا مصروف ہوگیا کہ دونوں بہت کم وقت ساتھ گزار پاتے۔دینہ نے بھی خود کو گھر کی ذمہ داریوں میں مصروف کرلیا۔ایک شام جب دونوں اکٹھے بیٹھے چائے پی رہے تھے تو اسامہ نے پوچھا۔"تم آج کل کچھ لکھ نہیں رہی ہو؟"

"نہیں، اگر لکھنے بیٹھ گئی تو پھر تمہیں پتا ہے مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہے گا۔نہ گھر کی ذمہ داری سنبھال پاؤں گی اور نہ تمہاری۔تم بات بھی کروگے تو میں کاٹ کھانے کو دوڑوں گی۔"

"تمہارے کاٹنے کی عادت کوئی نئی تو نہیں ہے۔تم بنا لکھے بھی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو۔"

دینہ نے جواباً اسے گھورا تو وہ ہنس پڑا۔

"یار تم میرے لیے لکھنا نہیں چھوڑو۔میں زندگی میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔دو سال میں تمہارے ہر رنگ سے واقف ہوگیا ہوں اور گھر کی ذمہ داری میں، تم اور ممی مل بانٹ کر سنبھال لیں گے۔"

"ممی کیا کہیں گی؟" دینہ کے چہرے سے فکرمندی عیاں تھی۔

"یہی کہ ان کی بہو کس قدر پھوہڑ ہے۔" اسامہ ہنسا تو دینہ نے اسے چپت رسید کی۔

"ہاں تو کرلیتے ناں نور سے شادی۔" دینہ بھنائی۔

"تو اَب کرلیتا ہوں۔مجھے تو چار چار کی اجازت ہے۔" اسامہ کے کہنے کی دیر تھی کہ دینہ نے کسی جنگلی بلی کی طرح اس پر حملہ کردیا۔اسامہ ہنستے ہوئے خود کو بچاتا رہا۔بالآخر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے خود سے قریب کرتے ہوئے بولا۔"جنگلی بلی! تم سے بہت محبت کرتا ہوں میں۔ساری زندگی صرف تمہاری مار کھانے کا وعدہ کرچکا ہوں۔شادی کرلی ہے تو یقین بھی کرلو میرا۔"

دینہ اس کی گہری نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ اسامہ نے اس کا بدلتا ہوا رنگ دیکھا تو بے اختیار اسے بانہوں میں لے لیا۔

☆......☆......☆

آج اسامہ غیر معمولی طور پر جلدی گھر آیا تو دینہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میرا ایک دوست آرہا ہے۔ تم چائے کا انتظام کروا دو اور میری جان بہت خوبصورت سی تیار ہو جاؤ۔"

"یہ چائے کا انتظام تو ٹھیک ہے۔ خوبصورت تیار کس خوشی میں ہوں تمہارا دوست مجھے دیکھنے آرہا ہے کیا؟"

"اس کی بیوی بھی ساتھ آرہی ہے۔ بااس لیے کہہ رہا ہوں۔"

"کون ہے بھئی اتنا تو بتاؤ۔"

"یار، وہ بس پہنچنے ہی والا ہے میں جلدی سے شاور لے کر چینج کرلوں۔ تم بھی چائے کا کہہ کر مجھ کو بتا دو پھر تیار ہو جاؤ۔ اس کی تفصیلات میں بعد میں بتاتا ہوں۔" اسامہ نے اس کے ماتھے پر بوسا دیا اور مسکرا کر بولا۔ "آئی لو یو سو مچ۔"

دینہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ جب بھی محبت کا اظہار کرتا تھا دینہ کا دل بے یقینی سے دھڑنے لگتا تھا۔

"سویٹ ہارٹ، اب آ بھی جاؤ۔" دینہ کچن میں ملازمہ کے ساتھ چائے کا انتظام دیکھ رہی تھی جب اسامہ نے اسے آکر ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ دینہ نے کچن سے نکلتے نکلتے ملازمہ کو ہدایات جاری کیں۔ اسامہ اس کے کندھوں کے گرد بازو لپیٹے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ دینہ اسامہ کے مذاق پر ہنس رہی تھی۔ اس نے اسامہ کے دوست کی بیوی کو سلام کیا اور اسے آگے بڑھ کر گلے ملی۔ جب وہ اس کے دوست کو سلام کرنے کے لیے مڑی تو اس کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہ بے اختیار اس کی بیوی سے دو قدم پیچھے ہٹی اور اسامہ کی اوٹ میں ہوگئی۔ اس کی نظروں کے سامنے کھڑا شخص اسے ایسے دیکھ رہا تھا گویا اس کا وجود بھی آندھیوں کی زد میں ہو۔ ڈرائنگ روم میں ہر شخص کی حیثیت اس شخص کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کر گئی۔

"بیٹھو یار صفدر، تم کیوں کھڑے ہو گئے ہو؟" اسامہ نے صفدر کو خوش دلی سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ صفدر کسی

سناٹے میں آچکا تھا۔ وہ دھیرے سے بیٹھ گیا۔ اسامہ نے اپنی اوٹ میں ہوئی دینہ کا ہاتھ تھاما تو اسے لگا اس کا وجود ٹھنڈا پڑ رہا ہے۔ اس کے ہاتھوں کے ساتھ اس کا وجود بھی کانپنے لگ گیا تھا۔

"کیا ہو گیا جان؟" اسامہ اس کی طرف فکرمندی سے مڑا۔ دینہ دھیرے سے اس کے جسم کے سائے میں چھپ گئی۔ وہ صفدر کی نظریں اپنے جسم کے آر پار ہوتی محسوس کر رہی تھی۔ دینہ نے اپنا ماتھا اس کے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ اسامہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ خوف تیرتے دیکھ کر اس کی فکرمندی میں اضافہ ہو گیا۔

"طبیعت خراب ہو رہی ہے کیا؟ بولو ناں میری جان کیا ہوا ہے؟" اسامہ اس کے لیے اتنا فکرمند ہو گیا تھا کہ وہ بھول ہی گیا تھا کہ ڈرائنگ روم میں اور بھی لوگ موجود ہیں۔ ممی بھی اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں۔ اس کے انداز میں بھی اس کے لیے فکر ہی فکر تھی۔ دینہ کو ٹھنڈے پسینے آنا شروع ہو گئے تھے۔ اسامہ مزید پریشان ہو گیا۔

"ممی! آپ اسے کمرے میں لے جائیں۔"

"نہیں تم میرے ساتھ چلو۔" دینہ تڑپ کر بولی اور اسامہ سے مزید ایک قدم قریب ہوئی۔

صفدر کی تنی ہوئی رگوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا خون کھول رہا ہے۔ اس کی بیوی خاموشی سے یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ دینہ سے پہلے نہیں ملی تھی اس کی ساس سے اس کا نام سن کر اس کے دل کو کھٹکا تو لگا تھا مگر صفدر کی غصے سے خراب ہوتی حالت اور دینہ کا خوف سے برا حال دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ وہی دینہ ہے جس کا نام ابھی بھی صفدر سوتے ہوئے لیتا ہے۔ اس کے دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ صفدر اٹھ کھڑا ہوا اور اسامہ کو یہ کہہ کر ایکسکیوز کرتا ہوا اپنی بیوی کو لے کر نکل گیا کہ وہ ابھی اپنی بیوی کا خیال کرے وہ دوبارہ آئے گا۔

اسامہ نے دینہ کو قریبی صوفے پر بٹھایا اور اسے پانی دیا۔ اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی اور جسم پر طاری کپکپی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ خوف سے اس کا برا حال تھا۔ دینہ کو لگا تھا کہ صفدر کسی بھی لمحے پستول نکال کر اسے گولی مار دے گا لیکن اس کے خوف میں اضافہ اس بات سے ہوا کہ وہ کہیں اسامہ کو بھی گولی نہ مار دے۔

☆......☆......☆

صفدر اپنے بیڈ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ خود کا غصہ کم کرنے کی ہر کوشش

ناکام ہو چکی تھی۔اس کی رگ رگ میں خون آگ بن کر دوڑ رہا تھا۔دینہ کا اسامہ کے پیچھے چھپنا،اس کے سینے پر سر رکھنا،اس کے وجود کا سہارا لینا اور اسامہ کا محبت بھرا احساس،فکرمندی اور اسے کسی حق کی طرح چھونا سب کچھ دماغ میں بار بار گھوم رہا تھا اور ہر بار ان کی قربت کی تصویر بھڑکتی آگ میں تیل کا سا کام کر رہی تھی۔صفدر نے پانی کا گلاس دیوار پر دے مارا۔گلاس کرچی کرچی ہو گیا مگر غصہ کم نہیں ہوا۔اس نے غصے سے اپنی سائیڈ ٹیبل سے پستول نکالی اور دل چاہا کہ ساری کی ساری گولیاں ان دونوں کے سینے میں اتار دے۔

☆......☆......☆

دینہ نے سوتے ہوئے اسامہ کو دیکھا تو دل بھر آیا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسامہ کو اس آنے والی مصیبت سے کیسے خبردار کرے۔اگر اسے حقیقت سے آگاہی ہو گئی اور اس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو۔۔۔اس سوچ سے دل میں بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔اگر نہیں بتایا تو جانے کب وہ صفدر کی گولی کا نشانہ بن جائے۔اس نے اسامہ پر نظر ڈالی اور کمرے سے نکل گئی۔ٹیرس پر ٹھنڈی ہوا نے اس کے جلتے ہوئے بدن کو سکون پہنچایا۔وہ خشک آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ آخر قسمت ہنستی ہوئی اس کی راہ میں کھڑی ہو ہی گئی ناں۔آخر اس نے یہ سوچ بھی کیسے لیا تھا کہ قسمت اسے دوبارہ نہیں آزمائے گی۔سب کچھ دے کر پھر سے نہیں چھین لے گی۔

☆......☆......☆

ٹیرس پر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے صفدر نے اپنی بیوی کی آواز سنی تو اس کی طرف مڑا۔وہ اس کے برابر آ کر کھڑی ہوئی۔صفدر نے اس سے کسی قسم کی گفتگو کا آغاز نہیں کیا۔دینہ کو دیکھ لینے کے بعد جذبات بے قابو ہو گئے تھے۔

"کچھ پریشان ہیں آپ؟"تانیہ نے اس کی بے چینی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم اندر جاؤ۔"صفدر کی ایک دفعہ کی سخت آواز کافی تھی۔تانیہ کو اس سے بحث کرنے کی حیثیت کبھی نہیں ملی تھی۔وہ بنا کچھ بولے اندر تو چلی گئی مگر اس کا دماغ مسلسل کھول رہا تھا۔اس نے سختی سے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ کسی صورت صفدر کو دینہ کی طرف پلٹنے نہیں دے گی۔

صفدر نے آسمان میں چمکتے ہوئے چاند کی طرف دیکھا۔اس نے دینہ کے ساتھ کے کتنے خواب دیکھے تھے

مگر قسمت اسے چھین کے لے گئی تھی اور اس کے اندر ایک خلاء چھوڑ گئی تھی جو آج تک پر نہیں ہوا تھا۔

"اس خلاء کو تمہارے علاوہ کوئی پورا نہیں کر سکتا۔" صفدر نے گہرا سانس بھرا۔ اس کی رگ رگ میں جذبات آگ بن کر دوڑ رہے تھے۔

☆......☆......☆

رات کا آخری پہر تھا۔ ملک ولی فرہاد مزار پر دیا جلا رہے تھے اور دل سے صرف ایک ہی فریاد نکل رہی تھی کہ یارب میری بیٹی کو جہاں بھی رکھنا اپنے حفظ وامان میں رکھنا۔ جب سے دینہ گئی تھی انہوں نے مزاروں پر دیئے چڑھائے تھے، منتیں مرادیں مانگی تھی۔ اس کے نام کے صدقے دے تھے اور راتوں میں تڑپتے ہوئے رب سے اس کی حفاظت کی التجائیں کی تھیں۔

تہجد پڑھ کر ذکیہ نے جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ہاتھوں میں آنسو موتیوں کی طرح ٹپکے اور دل سے ہمیشہ کی طرح یہی دعا نکلی کہ اے رب میری بیٹی کی حفاظت تو خود فرما۔

سفینہ نے کھڑکی سے باہر پھیلتی ہوئی روشنی کو دیکھا اور پھر سوتے ہوئے سکندر کو۔ دینہ کو گئے چھ سال بیت گئے تھے مگر سکندر کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ وہ آج بھی پستول ساتھ لے کر گھر سے نکلتے تھے۔ انہوں نے آج تک اسے معاف نہیں کیا تھا۔ قید تنہائی کی سزا سنا کر نہ اسے قبول کیا تھا اور نہ ہی جانے کے قابل چھوڑا تھا۔ اب تو درد نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا بس گھٹن دن بدن بڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

چولہے پر چائے رکھ کر دینہ اپنے اندر ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ چائے کب سے ابل ابل کر چولہے پر گر رہی تھی مگر اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔

"ڈی، چائے گر رہی ہے۔" اسامہ نے آ کر چولہا بند کیا تو وہ اسامہ کو ناسمجھی میں دیکھے گئی۔

"تم مت کام کیا کرو۔ نادیہ سے کہا کرو۔" اسامہ اسے کچن سے باہر لے گیا۔

دینہ پر عجیب طرح کا سناٹا چھاتا جا رہا تھا۔ وہ خود کے اندر اتنا کھو گئی تھی کہ اسامہ کوشش کے باوجود اس تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر ایسا کیا ہے جو اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔

"آخر کہہ کیوں نہیں دیتی ہو کہ کیا پریشان کر رہا ہے تمہیں؟" اسے بیڈ پر بٹھا کر اسامہ اسکے سامنے پاؤں کے بل بیٹھ گیا۔ دینہ نے اس کی طرف دیکھا لیکن بولی کچھ بھی نہیں۔

"اعتبار کر سکتی ہو میرا۔ تم سے وعدہ کیا ہے کبھی تمہارا اعتبار نہیں توڑوں گا۔ جو دل میں ہے وہ کہہ دوڈی۔" اسامہ نے بہت کوشش کی لیکن وہ کچھ بھی نہیں بولی۔ اسے دو دن پہلے ہی پتا چلا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ یہ سن کر تو اس کا خوف دوہرا ہو گیا تھا۔ اگر اسے کسی نے مار دیا تو اسامہ کا غم تو دوہرا ہو جائے گا۔

"اسے جدائی کو غم مت دینا وہ سہہ نہیں سکے گا۔" ممی کی آواز دن رات اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔

اسامہ نے کروٹ لی اور اپنے برابر خالی بستر کی طرف دیکھا۔ پچھلی کئی راتوں کی طرح وہ آج رات بھی کمرے میں نہیں تھی۔ اسامہ نے بستر میں اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سوچا کہ اس پر سناٹا چھا گیا تھا، نیندیں اڑ گئی تھی، ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا تھا اس نے بس اس کا ہاتھ تھامے خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پاتی تھی۔ اس کا فون بجتا تھا تو اٹھاتی نہیں تھی، میسج آتا تو دیکھتی نہیں تھی، اس کی طرف بڑھتے قدموں کی چاپ پر چونک جاتی تھی۔

"ٹھنڈ لگ جائے گی اندر آجاؤ۔" اسامہ نے ٹیرس پر کھڑی دینہ کے کندھوں پر شال ڈالی اور اس کے گرد بازو پھیلایا تو اس نے چپ چاپ اس کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ دل نے ٹوٹ کے رب کے حضور فریاد کی کہ اس کا ساتھ کبھی نہ چھوٹے۔

☆......☆......☆

صفدر کا غصے سے برا حال تھا۔ کتنے جتن کر کے تو اسے دینہ کا نمبر ملا تھا مگر ایک دفعہ بات کرنے کے بعد اس کی مسلسل کوشش کے باوجود دینہ نہ اس کا فون اٹھا رہی تھی اور نہ کسی میسج کا جواب دے رہی تھی۔ مسلسل تیسری دفعہ جب صفدر نے فون ملایا تو اس نے فون تو اٹھا لیا لیکن کچھ بھی نہیں بولی۔

"اگر میری بات سنے بغیر فون رکھا تو یاد رکھنا تمہارے گھر کا راستہ معلوم ہے مجھے۔"

"کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟" اس کی آواز میں بے زاری کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

"ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کے دوست کی بیوی ہوں۔" دینہ چبا چبا کر بولی۔
"میں نے کہا ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں تم کس کی بیوی ہو" صفدر کی آواز میں چٹانوں جیسی سختی تھی
"میں نہیں آؤں گی۔" دینہ نے پوری طاقت سے انکار کیا۔
"ٹھیک ہے پھر تیار رہنا میں شام میں تمہارے گھر آتا ہوں۔"
"بلیک میل کر رہے ہیں آپ مجھے۔"
"تم جو چاہے سمجھو۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں تم ملنے نہیں آئی تو میں آجاؤں گا اور یاد رکھنا مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں۔" صفدر نے فون بند کر دیا۔ دینہ کا دل چاہا چیخ چیخ کر روئے۔ اتنی بے بسی کا احساس آخری دفعہ تب ہوا تھا جب عالیان زبردستی اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔ آج اس کا بھائی ٹھیک اسی زبردستی سے اس سے پیش آرہا تھا۔

☆......☆......☆

"تایا۔ تایا۔" سفینہ چیختی ملک ولی کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ولی اور ذکیہ دونوں تیزی سے کمرے سے باہر نکلے۔
"کیا ہوگیا ہے؟" ملک ولی کا دل ہول گیا۔
"تایا! سکندر دینہ کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔" سفینہ تیزی سے بولی۔ "انہیں روک لیں۔"
"دینہ کو؟" ملک ولی کے سر پر آسمان آگرا۔
"ہاں، وہ صفدر کو مل گئی ہے اور صفدر اس سے ملنے جا رہا تھا۔ صفدر کی بیوی نے آکر سکندر کو بتا دیا ہے تاکہ وہ اسے قتل کر دیں۔ روک لیں انہیں۔"
ملک ولی تیزی سے سیڑھیاں اترے لیکن جب تک وہ باہر پہنچے سکندر کی گاڑی نکل چکی تھی۔
"اوئے گاڑیاں نکالو۔ اوئے۔" ملک ولی کی آواز پر گھر میں ایک بھونچال سا آگیا۔ آگے پیچھے کئی گاڑیاں مٹی اڑاتی ہوئی نکل گئیں۔

☆......☆......☆

ڈرائیور کو باہر ہی روک کر دینہ اندر چلی گئی۔ صفدر پہلے سے اندر موجود تھا اسے دیکھ کر اس نے اسے بیٹھنے کی دعوت دی۔

"کیوں بلایا ہے مجھے۔ جلدی بولیں۔" دینہ کی آنکھوں میں سختی ہی سختی تھی۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟" صفدر کو کسی قسم کی جلدی نہیں تھی۔

"آپ مجھے اگر پستول کی گولی کھلا دیتے تو وہ میں کئی درجے جلدی قبول کر لیتی آپ کی اس گھٹیا حرکت سے۔"

"کیا گھٹیا حرکت کی ہے میں نے؟" صفدر ہلکی آواز میں دھاڑا۔

"کسی کی عزت ہوں میں۔" وہ بھی دھیمی آواز میں غضبناک ہوئی۔

"عزت تو میری بھی تھی۔" صفدر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"آپ کی کسی امانت میں خیانت نہیں کی تھی میں نے اور آپ یہ جانتے ہیں۔"

"جانتا ہوں تو یہاں بیٹھا ہوں ورنہ پستول لے کر دیوانوں کے طرح ڈھونڈ رہا تھا تمہیں۔"

"کاش آپ ہوش سے مجھے ڈھونڈتے، یہ جاننے کے لیے ڈھونڈتے کہ میں گنہگار ہوں بھی کہ نہیں۔"

"بارات تیار کھڑی تھی۔ پورے جہان میں رسوا ہو گیا تھا میں۔" صفدر ناگواری سے بولا۔

"دلہن تو میں بھی بنی ہوئی تھی اور عزت تو میری داؤ پر لگی تھی۔ میرا خیال نہیں کیا بس اپنی غیرت کے زعم میں جھومتے رہے۔" دینہ کی آواز میں اتنی سختی اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

"پاگل ہوں تمہارے لیے جانتی ہو ناں۔ ابھی بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"ایسی محبت کا میں کیا کروں جو عزت کرنا نہیں جانتی اور ویسے بھی محبت نہیں دھوکہ ہے یہ جو آپ اپنے آپ کو دے رہے ہیں۔"

"ٹوٹ کر چاہا ہے تمہیں میں نے۔"

"صرف چاہا ہے اور چاہت محبت نہیں ہوتی۔ محبت سر پر سے عزت کی چادر نہیں کھینچتی ہے۔ محبت تو ہر عیب اپنے اندر ضم کر لیتی ہے، سر کا سایہ ہوتی ہے۔"

"تمہیں ہمیشہ اپنی عزت مانا ہے میں نے، چادر کیسے چھین سکتا ہوں۔"

"بالکل اسی طرح جس طرح کوٹھے پر بیٹھنے کا مشورہ دے سکتے ہیں۔"

"غصے میں تھا میں۔ سچ سے انجان تھا۔"

"آپ کو سچ بتانے کو تو فون کیا تھا میں نے لیکن آپ تو جاننا ہی نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے تو بنا جانے ہی مجھے گنہگار ٹھہرا دیا تھا۔ ایک زیادتی آپ کے بھائی نے شروع کی تھی مجھے زبردستی اٹھا کر اور آپ نے اسے مکمل کر دیا اس پر مہر تصدیق لگا کر۔"

"میں ابھی بھی تمہیں چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں آپ کو نہیں چاہتی۔ میں اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہوں۔"

"تم اسامہ سے طلاق لے لو۔ میں تم سے شادی کر لوں گا۔"

"اپنی بیوی بچے کے ہوتے ہوئے بھی آپ مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔" دینہ کے لہجے میں افسوس تھا۔

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ میں برسوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ میں تمہیں یہاں اسلام آباد میں رکھوں گا۔ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوگا۔"

"گناہ کی طرح چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ ابھی بھی میری عزت کا نہیں سوچ رہے ہیں۔" دینہ افسوس سے بولی۔

"عزت کا سوچ رہا ہوں جب ہی تو شادی کا کہہ رہا ہوں۔ تمہیں اسلام آباد میں رکھوں گا۔ کوئی تکلیف نہیں ہونے دونگا۔"

"اور کتنا گریں گے میری نظر سے آپ۔" دینہ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تم ہمیشہ سے صرف میری ہو دینہ۔ سمجھ کیوں نہیں رہی ہو؟ کیا روک رہا ہے تمہیں میری زندگی میں آنے سے؟"

"میں اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہوں، اتنی کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ اس نے مجھ سے صرف محبت ہی نہیں کی مجھے اتنی عزت بھی دی ہے کہ میں اپنی نظر میں معتبر ہو گئی ہوں۔ میں جو

رسوائی کا داغ دامن میں چھپاتے چھپاتے زمانے کا سامنا بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے دیکھیں میں کس اعتماد سے آپ کے سامنے بیٹھی ہوئی ہوں اور یہ سب صرف میرے شوہر کا دیا ہوا ہے۔ اس سے محبت کے بعد مجھے معلوم ہوا آپ کی تو صرف وقتی چاہت تھی اور اب آپ سے بات کر کے مجھے اس وقتی چاہت سے بھی کراہت آ رہی ہے۔ اگلی دفعہ بات کرنی ہو تو میرے گھر آ جایئے گا۔ آپ میرے شوہر کو میرے برابر بیٹھا پائیں گے۔ اسے آج جا کر میں سب بتا دونگی۔ اتنا اعتماد اور بھروسہ ہے مجھے اس پر۔" دینہ یہ کہہ کر رکی نہیں، اٹھی اور باہر نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

سکندر ٹریفک لائٹ کی وجہ سے صفدر سے پیچھے رہ گیا تھا لیکن وہ مسلسل اس ایریا میں چکر لگا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صفدر کی سفید گاڑی دور سے ہی دکھائی دے جائے گی۔ اس نے ایک گلی میں موڑ کاٹا تو صفدر کی گاڑی دیکھ کر انہوں نے گاڑی سائیڈ میں لگائی اور اپنی پستول نکال کر گاڑی سے اتر گئے۔

☆......☆......☆

"دینہ، رک جاؤ۔" صفدر نے روڈ پر آتی دینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ "میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

"تو پھر جا کر میرے باپ اور بھائی کو سچ بتائیں۔ انہیں بتائیں جو تہمت مجھ پر لگائی گئی ہے وہ سچ نہیں ہے۔ جائیں اپنی محبت کو عزت کی چادر پہنا کر سرخرو کر دیں۔" دینہ یہ کہہ کر مڑی ہی تھی کہ گولی کی آواز سے خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا پھر جب دوسری گولی چلی تو لوگ بھاگنے اور چھپنے لگے۔ تیسری گولی تک سڑک ویران ہو چکی تھی۔

"سکندر! رک جاؤ۔" اس سے پہلے کہ سکندر اپنے پستول کی ساری کی ساری گولیاں اس کے جسم میں اتار دیتا ملک ولی اور ان کے بندوں نے سکندر کو پکڑ لیا۔

دینہ نے اپنے جسم سے بہتے ہوئے خون کو دیکھا اور نظر اٹھا کر اپنے بھائی اور باپ کو دیکھا۔ آنکھوں کے آگے دھندسی چھانے لگی تھی۔

"دینہ، دینہ۔" گرتی ہوئی دینہ کو سنبھالتے ہوئے صفدر کی آواز کہیں دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ دینہ نے اپنی تیز سرخ، سوجی آنکھیں جھپک جھپک کر کھولنی چاہیں۔ صفدر اسے گود میں اٹھائے گاڑی کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ہر چیز دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ صفدر کی آواز معنی کھو چکی تھی۔ دینہ صفدر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی

اور سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس کے چہرے پر پریشانی کیسی ہے۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھوں پر کوئی بھاری بوجھ آن گرا تھا۔ وجود کہیں ہوش اور بے ہوشی کے بیچ جھولتے ہوئے سناٹے میں کھوتا جا رہا تھا۔

صفدر نے اس سے تیزی سے گاڑی شاید زندگی میں نہیں چلائی تھی۔ دینہ کا سر ملک ولی کی گود میں تھا۔ ان کی ساری گاڑیاں آگے پیچھے ہسپتال کی طرف جس تیزی سے بھاگ رہی تھیں دیکھ کے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی کے بھی سامنے آنے پر اسے روندتے ہوئے گزر جائیں گی۔

"بابا! آپ ہسپتال آ جائیں۔" ہسپتال پہنچ کر ڈرائیور نے اسامہ کو فون کیا۔ "دینہ بیٹی کو کسی نے گولیاں مار دی ہیں۔"

یہ وہ الفاظ تھے جنہیں سن کر اسامہ کو لگا کسی نے اس کے جسم سے روح نکال لی ہو۔ وہ ابھی ابھی گھر پہنچا تھا۔ وہ اپنے اور دینہ کے لیے ترکی کے ٹکٹ لے کر آیا تھا۔ اس سے دینہ کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی وہ اسے کہیں اتنی دور لے جانا چاہتا تھا جہاں وہ ساری تکلیفیں بھول جاتی۔ ممی نے اس کا رنگ اڑتے دیکھا تو تیزی سے اس کے پاس آئیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟" انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

"کسی نے میری دینہ کو گولیاں مار دی ہیں۔"

"یا اللہ خیر۔"

☆......☆......☆

ملک ولی کے ایک فون پر ہسپتال کا مالک خود ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ ڈاکٹروں کی بہترین ٹیم بھاگتی ہوئی پہنچی تھی لیکن ڈاکٹر اس کی حالت دیکھ کر کچھ زیادہ پر امید نہیں تھے۔

"ہمیں دینہ کے لیے خون چاہیے۔"

"میرا اور اس کا بلڈ گروپ ایک ہی ہے۔ جتنا چاہیں لے لیں لیکن میری دینہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔"

اسامہ کی آواز پر سب اس کی طرف مڑے۔

"ان کا خون ہم لے لیتے ہیں آپ مزید خون کا انتظام کریں۔" ڈاکٹر کہہ کر اسامہ کو لیے ایک کمرے میں

چلا گیا۔

"فون کر رحیم سب کو، بندے جمع کر ہسپتال میں دیکھ کس کا خون میچ کرتا ہے۔" ملک ولی تیزی سے بولے۔ انہوں نے سوالیہ انداز میں سارہ کی طرف دیکھا۔

"یہ دینہ کی ساس ہیں۔" صفدر نے کہا تو ملک ولی ششدر رہ گئے۔

"میری بیٹی کی شادی بھی ہوگئی ہے؟"

"ابھی جو اسامہ اندر گیا تھا وہ شوہر ہے اس کا۔" صفدر کا یہ کہتے ہوئے دل کٹ رہا تھا لیکن اس نے تعارف تو کروانا ہی تھا۔ "آنٹی آپ بیٹھیں۔"

"دینہ ٹھیک تو ہو جائے گی۔"

"آپ دعا کریں۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔" صفدر کے کہنے پر ان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

کچھ دیر بعد جب اسامہ باہر آیا تو اس کی حالت سے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے گر جائے گا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ دینہ کے بچنے کی امید بہت کم ہے۔

"کیسے ہوا یہ سب؟" اسامہ سیدھا صفدر کی طرف بڑھا۔

"اسامہ، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" صفدر نے اسے تسلی دی۔

"مجھے یہ بتاؤ یہ سب کیسے ہوا ہے۔ کس نے کیا ہے کیوں کیا ہے؟" وہ غصے سے چیخا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ وہ آخری دفعہ اس طرح کب چیخا تھا۔ اسے اپنا آپ پاگل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"بیٹے! اس کے لیے دعا کرو۔ اسے ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے۔" ملک ولی کی آواز پر وہ ان کی طرف مڑا۔

"آپ نے کیا ہے یہ سب؟ کیا بگاڑا تھا اس نے آپ کا۔ مجھے بتائیں کیوں کیا ہے؟" اسامہ کے چیخنے میں کمی نہیں آئی تو ممی اٹھ کر اس کے پاس آگئیں۔ اس سے پہلے کہ ملک ولی کوئی جواب دیتے۔ اندر آتے سکندر نے اس کو اپنے باپ پر چیختے دیکھا تو غصے سے بولے۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے باپ پر چیخنے کی۔"

"ابھی میری جرأت آپ نے دیکھی ہی کہاں ہے۔دعا کریں وہ ٹھیک ہوجائے ورنہ خدا کی قسم میں آپ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا، برباد کردونگا۔" سکندر کی بلند آواز کے جواب میں اسامہ کی آواز بھی بلند ہی تھی۔

سکندر اسے مارنے کے لیے آگے بڑھے تو ملک ولی کا زناٹے دار تھپڑ کھا کر اپنی جگہ ششدر رہ گئے۔

"جانتے ہو کیوں ملی تھی وہ۔کیونکہ دن رات منتیں مرادیں مانگی ہیں میں نے۔اللہ کے حضور گڑگڑایا ہوں میں۔ہر نماز کے بعد اس رب سے فریادیں کی ہیں میں نے کہ وہ مجھے میری بیٹی لوٹا دے۔مزاروں کے دیئے خشک نہیں ہونے دیئے ہیں کہ وہ اسے اپنی حفاظت میں رکھے اور تم نے اسے گولیاں ماردیں؟"

ان کی بات پر اسامہ دو قدم پیچھے ہٹا۔یہ دینہ کی فیملی تھی۔وہ فیملی جن کے لیے وہ تڑپتی تھی۔

"اگر اسے کچھ ہوگیا سکندر تو تمہیں پولیس کے حوالے میں اپنے ہاتھوں سے کروں گا۔تمہیں جائیداد سے عاق کردوں گا پھر دیکھتا ہوں میں، تم زمین پر کیسے اکڑ کر چلتے ہو۔ارے کم بخت سگی بہن ہے تمہاری۔"

اسامہ نے حیرت سے ملک ولی سے سکندر کی طرف دیکھا۔کوئی سگا بھائی کیسے اپنی ہی بہن کی جان لے سکتا ہے۔اس کے دماغ میں سناٹا سا چھا گیا۔ملک ولی مزید کچھ کہتے لیکن ان سب کی توجہ آپریشن تھیٹر سے نکلنے والے ڈاکٹر کی طرف مبذول ہوگئی۔

"ہمیں مزید خون چاہیے۔"

"ہاں جی، بندے تیار کھڑے ہیں جتنا چاہے خون لے لیں لیکن میری بیٹی کو بچالیں۔"

"ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ہم کوشش کررہے ہیں آپ دعا کریں۔صرف دعائیں ہی ہیں جو انہیں بچا سکتی ہیں۔" ڈاکٹر کی بات پر اسامہ قریبی بینچ پر بیٹھتا چلا گیا۔ممی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیا لیکن اس کی تو پوری دنیا ہی ختم ہوگئی تھی۔

"اگر اسے کچھ ہوگیا ممی تو میں جی نہیں پاؤں گا۔" اسامہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

"اسے کچھ نہیں ہوگا میری جان۔ہماری محبت اسے واپس کھینچ لائے گی۔"

"وہ اس تکلیف کی حقدار نہیں ہے ممی۔مجھے اس کا ساتھ چاہیے میں نے رب سے اس کے علاوہ کبھی کچھ نہیں مانگا"

"تم اب بھی مانگو گے تو وہ مایوس نہیں لوٹائے گا۔" سارہ نے اس کے برابر بیٹھ کر اسے گلے سے لگایا۔

کچھ دیر بعد آپریشن تھیٹر سے نکلنے والے ڈاکٹر کو اسامہ نے روک لیا اور اس کی حالت کے بارے میں پوچھا۔

"دیکھیں وہ پریگننٹ تھیں ان کی انٹرنل بلیڈنگ اتنی زیادہ ہو رہی ہے کہ ہم بالکل بے بس ہیں۔ آپ دعا کریں۔"

ڈاکٹر کی بات سے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ اسامہ نے بے اختیار گہرا سانس بھر کر خود کو سنبھالا اور رب کے حضور ٹوٹ کر دعا کی کہ تو نہیں مجھے اولاد دینے سے پہلے ہی لے لی ہیں مگر مجھ سے میری زندگی نہ لینا۔

"ابا! آپ گھر چلیں میرے ساتھ۔" سکندر کو ابھی بھی دینہ کی زندگی کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ وہاں صرف ملک ولی کو لینے آئے تھے۔

"میری بیٹی کو موت کے منہ میں پھینک دیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں تیرے ساتھ چلوں۔ تیری کوئی اولاد نہیں ہے ناں سکندر اس لیے تجھے میرے یا صبر سے اس دکھ کو سہتے سامنے کھڑے اس شخص کی تڑپ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔"

سکندر آنکھیں پھاڑے اپنے باپ کو دیکھے گئے۔ آج سے پہلے تو انہوں نے کبھی اولاد کا طعنہ نہیں دیا تھا۔ کیا اولاد کی تڑپ اتنی ہی گہری ہوتی ہے کہ باپ اپنی عزت بھلائے اس کی زندگی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ سکندر واقعی یہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس لیے چپ چاپ اپنے باپ کے جھکے کندھوں کو دیکھے گئے۔

"تو میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جا سکندر اور اگر اسے کچھ ہو گیا تو بھول جانا میرا تیرا کوئی رشتہ ہے۔" ملک ولی نے سکندر کو دھکیلا۔ سکندر جب ہسپتال سے باہر نکلا تو اسے سفینہ اور امی آتی دکھائی دیں۔ وہ اپنی امی کا سامنا نہیں کر سکتا تھا اس لیے ان سے بنا ملے چلا گیا۔

"مبارک ہو آپ کو، آپریشن کامیاب رہا آپ کی دعائیں کام آ گئیں۔" دس گھنٹے کے مسلسل آپریشن کے بعد جب ڈاکٹروں کی ٹیم باہر نکلی تو خاموشی سے بیٹھے دعائیں کرتے ہر شخص نے بے اختیار خدا کا شکر ادا کیا۔

"لیکن ابھی اگلے چوبیس گھنٹے بہت کریٹکل ہیں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر چلے گئے۔ دینہ کو آئی۔سی۔یو میں شفٹ کر دیا گیا۔ ڈاکٹرز نے کسی کو بھی اس سے ملنے نہیں دیا۔

"اسامہ کون ہے؟" اگلے دن ڈاکٹر نے آ کر پوچھا تو اسامہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ "وہ کل سے بس اسامہ اسامہ کیئے جا رہی ہیں۔ کچھ کہنا چاہتی ہیں شاید۔ اگر آپ ساتھ ہونگے تو سٹریس کم ہوگا آپ اندر آ جائیں۔"

ڈاکٹر کے کہنے پر اسامہ اندر چلا گیا۔ وہ کل سے ایک لمحے کے لیے بھی دروازے کے سامنے سے نہیں ہٹا تھا۔ دینہ وقفے وقفے سے جھٹکے کھا رہی تھی اور اس کی زبان سے صرف اسامہ کا نام نکل رہا تھا۔ اسامہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"میں۔۔۔نے۔۔۔کچھ۔۔۔نہیں۔۔۔کیا۔" لفظ ٹوٹتے ہوئے اس کے لبوں سے آزاد ہو رہے تھے۔ "اسامہ میں نے۔۔۔کچھ نہیں۔۔۔کیا۔"

"میری جان میں یہاں ہوں تمہارے پاس۔" اسامہ نے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگایا۔ "اور میں تم سے بہت بہت محبت کرتا ہوں۔ مجھے چھوڑ کر کہیں مت جانا۔ میں جی نہیں سکتا تمہارے بغیر۔" اسامہ نے نرم آواز میں کہا۔ "تم میری زندگی ہو، میرا سب کچھ تم ہو اور بس صرف اتنا یاد رکھنا میں اپنی جان سے بھی زیادہ تم پر اعتبار کرتا ہوں۔" اسامہ نے اپنے ہاتھ کے گرد اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوتی محسوس کی اور پھر مانیٹر پر اس کی ہارٹ بیٹ گرتے ہوئے دیکھی تو وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شیشے کے باہر سے باقی گھر والوں نے ڈاکٹرز کو اس کی طرف بھاگتے اور اسامہ کو تیزی سے پیچھے کرتے اور اس کے گرد پردہ برابر کرتے دیکھا تو باہر چیخ و پکار شروع ہو گئی۔

خدا نے ان سب کی دعاؤں کو رد نہیں کیا۔ دینہ دعاؤں کے سہارے موت کے منہ سے واپس آ گئی۔ ایک ہفتے کے بعد جب دینہ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تو ڈاکٹرز نے اسے کمرے میں شفٹ کر دیا۔

اسامہ پورے ہفتے سے ایک پل کے لیے بھی دینہ سے الگ نہیں ہوا تھا۔ ملک ولی نے اسے گھر جانے کو کہا تو اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ مجھے آپ میں سے کسی کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ اس نے ابھی تک کسی کو دینہ کے سامنے نہیں آنے دیا تھا اور ملک ولی تو کیا کوئی بھی اس سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا ان کی بدولت ہی تو دینہ موت کے منہ میں تھی۔ جس لڑکی کے سگے بھائی نے اسے گولیاں ماری ہوں کیا اس کا خاندان قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ اس لیے ملک ولی نے اس سے التجا کی کہ ایک بار دینہ سے پوچھ لے اگر وہ نہ ملنا چاہے تو

وہ کبھی اس کے سامنے نہیں آئیں گے۔

دینہ جب کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی تو اسامہ نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

"ڈی، تمہارے گھر والے ملنا چاہتے ہیں۔تم انہیں ملنا چاہتی ہو؟"

اسامہ کی بات پر دینہ سوچ میں پڑ گئی۔

"وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" اسامہ نے اسے یقین دہانی کرائی۔ دینہ نے کچھ سوچ کر سر اثبات میں ہلایا۔اسامہ نے دروازہ کھول کر انہیں اندر آنے دیا۔

دینہ نے سانس روکے ہوئے اپنی ماں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا، ان کے پیچھے ابا اور سفینہ بھابھی۔ ماں نے گلے سے لگایا تو برداشت جواب دے گئی۔ وہ ان کے بازوؤں میں ٹوٹ گئی۔ ابا نے سہارا دیا تو لگا کہ اب پوری دنیا بھی اس کے خلاف ہو جائے تو وہ اس سے لڑ جائے گی۔ بھابھی سے ملی تو انہیں اتنا پیار کیا کہ وہ آنسو روک نہیں پائیں۔ جب اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں تو دیوار کے قریب صفدر اور سکندر کو کھڑے دیکھا تو بے اختیار ڈر گئی۔اس کے برابر کھڑے اسامہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا، دوسرا ہاتھ ابا نے تھاما تو اس نے کسی قدر غیر یقینی سے ابا کی طرف دیکھا۔

انہوں نے مسکرا کر اس کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے اپنے ساتھ کی یقین دہانی کرائی۔سکندر کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ زبردستی لائے گئے ہیں۔

"اسامہ! میں تمہیں اپنے گھر والوں سے ملوانا چاہتی ہوں۔" صفدر کو اپنی طرف گہری نظروں سے دیکھتے پایا تو دینہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسامہ کو سب کچھ بتا دے گی۔ وہ اب اعتبار کی منزلیں طے کرنا چاہتی تھی تا کہ دوبارہ کبھی کوئی صفدر اسے بلیک میل نہ کر سکے۔

"میری امی، ابا، بھابھی اور میرے بھائی۔" اس نے سکندر کی طرف دیکھا۔وہ آنکھوں میں تختی لیے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"میرے بھائی میری جان لینا چاہتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ میں شادی والے دن گھر سے بھاگ کر میں نے ان کی عزت کا جنازہ نکال دیا تھا۔"

اسامہ بس خاموشی سے اسے سنے جا رہا تھا۔

"ان کے برابر میرے بچپن کے منگیتر کھڑے ہیں، صفدر۔ ان ہی سے میری شادی ہو رہی تھی۔"

اسامہ کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔ اسے اب سمجھ آیا کہ صفدر کے گھر آنے پر دینہ اتنا ڈر کیوں گئی تھی۔

"لیکن جب میں ان کی دلہن بنی اپنے بھائی کی راہ دیکھ رہی تھی تو ان کا بھائی۔۔" اس نے صفدر کی طرف اشارہ کیا۔ "مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے گیا۔ میں اس پر بھائیوں والا اعتبار کرتی تھی۔ اس کے ساتھ بھاگنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بھلا کبھی کوئی بھائیوں کے ساتھ بھی بھاگتا ہے۔ بھائی تو سر پر سائباں ہوتے ہیں، عزت کے رکھوالے ہوتے ہیں۔"

سکندر کو لگا آسمان ان کے سر پر آن گرا ہو۔ سفینہ اور صفدر کے علاوہ کمرے میں ہر شخص سکتے میں آ گیا تھا۔

"لیکن وہ تو محبت کے دعویدار نکلے۔ میں جو اُن کے بھائی کی دلہن بنی کھڑی تھی میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اپنے ہی بھائی کی عزت پر نقب لگائیں گے۔ مجھے دیوانوں کی طرح چاہنے کا دعویٰ کرنے والے ان کے بھائی نے مجھے قیدی بنا کر دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا کر دیا لیکن دنیا کا تو میں شاید سامنا کر بھی لیتی اپنے ہی بھائی کا سامنا کیسے کرتی جو لوڈڈ پستول لیے مجھے صرف اس لیے ڈھونڈ رہا تھا کہ میرے خون سے اپنی غیرت پر لگے داغ کو دھو سکے۔ بھاگنا نہیں چاہتی تھی میں، جینا بھی نہیں چاہتی تھی مگر اللہ کو شاید میری زندگی منظور تھی اس لیے مجھے وہاں سے نکال دیا۔ زندگی بچا کر میں بھاگ تو گئی مگر میرے بھائی یہی سمجھتے رہے کہ میں کسی مرد کے پیچھے بھاگ گئی ہوں۔ مجھ پر یقین نہیں تھا تو نہ سہی میرے ماں باپ کی تربیت پر یقین کرتے ہوئے ایک بار ہی سہی یہ تو سوچ لیتے کہ ہو سکتا ہے جس بہن کو میں قتل کرنے کے لیے ڈھونڈ رہا ہوں اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہی پیش آ گیا ہو۔ ایک بار غیرت کے زعم سے نکل کر بھائی بن کر سوچتے کہ شاید آپ کی بہن کو آپ کی ضرورت ہو۔"

سکندر کو لگا وہ مزید نہیں سن پائیں گے مگر وہ اپنی جگہ جمے کھڑے رہے کیونکہ اگر وہ پہلے یہ سب سن لیتے تو آج اس سب کی نوبت ہی نہ آتی۔ "اگر مجھے اپنے بھائی پر اتنا اعتبار ہوتا کہ وہ میری بات سنیں گے اور میرا یقین کریں گے تو میں کہیں نہیں جاتی۔" سکندر پر گھڑوں پانی گر گیا۔

"آپ کے پاس واپس آتی اور آپ کی گود میں سر رکھ کر خود پر ہوئے ظلم کی پوری داستان سناتی اور آپ کے

تحفظ کے سائے میں ساری زندگی گزار دیتی مگر کیا کبھی آپ نے یہ سوچا کہ جس بہن کو آپ نے دنیا کے سائے سے بھی بچا کر رکھا ہے وہ آپ سے ہی سے جان بچانے کے لیے بھاگ رہی ہے۔آپ نے یقیناً کبھی نہیں سوچا ہوگا کہ گھر سے کبھی جو لڑکی اکیلی نہیں نکلی وہ اکیلے اس دنیا کا سامنا کیسے کرے گی۔ بتائیں کبھی سوچا آپ نے؟"

دینہ نے سکندر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا مگر سکندر کے پاس خاموشی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"بھائی تو تحفظ کا احساس ہوتے ہیں۔آپ کیسے بھائی ہیں کہ تحفظ کی چادر آپ نے اپنے ہاتھوں سے میرے سر سے چھین کر مجھے ننگے سر دنیا کے سامنے پھینک دیا؟"

سکندر ان میں سے کسی بھی بات کا جواب نہیں دے سکتے تھے انہوں نے اپنی بہن کی آنکھوں میں دیکھا پھر سر جھکا کر کمرے سے نکلتے چلے گئے۔اس سے پیار کرتے ہوئے امی، ابا اور بھابھی بھی نکل گئے۔

"صفدر۔" جب صفدر نکلنے لگے تو دینہ نے آواز دے کر اسے روکا اس نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"اگر آپ کا ملال اس بات سے کچھ کم ہوتا ہے تو میں آپ کو بتا دوں آپ کے بھائی نے مجھے چھوا تک نہیں تھا۔وہ رات بھر مجھے کمرے کے ایک کونے میں بٹھا کر خود دوسرے کونے میں بیٹھ کر ایسے دیکھتا رہا تھا جیسے کوئی پروانہ دیوانگی میں شمع کے گرد طواف کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے پر جل جاتے ہیں اور وہ تڑپتے ہوئے ختم ہو جاتا ہے۔"

صفدر پانی ہوتی ٹانگوں سے ساتھ چلا تو گیا لیکن وہ جان گیا تھا کہ اس نے اب دینہ کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا ہے۔ایک وقت تھا کہ محبت کا دعوے دار ہونے کے باوجود وہ دینہ کو قبول کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کی غیرت ایک ناپاک عورت کو اپنے قابل نہیں سمجھتی تھی آج اسے احساس ہوا۔درحقیقت تو وہ دینہ کے قابل نہیں تھا۔اس نے سچ جاننے کے باوجود اس پر لگی تہمت کے داغ کو صرف اس لیے نہیں دھویا کیونکہ وہ دنیا کے سامنے اپنے بھائی کا نام نہیں لے سکتا تھا۔اپنے حصے میں مزید رسوائی نہیں لکھ سکتا تھا۔غیرت تو صرف تب جوش میں تھی جب دینہ کو گولی مار کر اس کا مداوا کیا جا سکتا تھا مگر جب بات گھوم کر اپنے ہی گھر آ گئی تو غیرت مصلحت کی چادر اوڑھ کر سو گئی تھی۔

☆......☆......☆

اسامہ نے بیڈ اوپر کیا، دینہ کے پیچھے تکیہ ٹھیک کیا اور اس کے برابر بیٹھ کر اسے سوپ پلانے لگا۔ دینہ نے دو چمچ لیے لیکن اس کے بعد اسامہ کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ وہ سوپ لے کر اٹھا تو دینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ سوپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھ سے ناراض ہو؟" دینہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ نقاہت کی وجہ سے اسے بولنا بھی ایک اچھا خاصا کام لگ رہا تھا۔

"تم میں جان بند ہے میری۔" اسامہ نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔ "ناراض نہیں ہوں مگر شکوہ ضرور ہے کہ اگر شادی کر لی تھی تو اعتبار بھی کر لیتی۔ میں نے وعدہ کیا تھا تم سے کہ تمہارا اعتبار کبھی نہیں ٹوٹنے دونگا۔ آزماتی تو سہی"

"میں ڈر گئی تھی کہ تم کہیں مجھے چھوڑ ہی نہ دو۔ میں تمہاری جدائی کی قیمت پر تمہارا اعتبار آزمانے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"تم میری روح میں بستی ہو ڈی۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہیں چھوڑ دونگا۔ خود کو چھوڑ سکتا ہوں مگر تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔" اسامہ نے ایک لمحے کے تامل کے بعد پوچھا۔ "تم جانتی تھی تم پریگنٹ ہو؟"

اس سوال پر درد آنسو بن کر آنکھوں سے بہنے لگا "مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"مجھے لگا تم دوہرا غم نہیں سہہ پاؤ گے۔"

"تم جانتی تھی یہ سب ہو گا؟" اسامہ کو شاک لگا۔ دینہ نے سر جھکا کر تھوک نگلا اور پھر نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اسی لیے اسلام آباد نہیں آنا چاہتی تھی۔ جانتی تھی کسی نہ کسی دن سکندر بھائی مجھے ڈھونڈ نکالیں گے پھر گولی مارنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔"

"یہ سب جاننے کے باوجود بھی میرے ساتھ آ گئی؟" اسامہ اس قدر شاک میں تھا کہ غیر یقینی سے دینہ کو دیکھے گیا۔ "کیوں؟"

"کیونکہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی ہوں۔" دینہ دھیمے سے مسکرائی۔ "میں نے سوچا تمہارے بغیر جب جی کر بھی نہیں جیوں گی تو کیوں نہ تمہارے ساتھ رہتے ہوئے تمہارے لیے جان دے دوں۔"

"مجھے کیوں نہیں بتایا ڈی؟"

"میں نے کوشش کی تھی اسامہ۔" دینہ نے اپنے آنسو صاف کیے۔ "لیکن تمہیں کھو دینے کے خیال سے میں اتنا خوفزدہ ہو جاتی تھی کہ میری ہمت ٹوٹ جاتی تھی۔ میں تمہیں نہیں بتا پائی۔"

"تم جانتی ہو میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور اندھا اعتبار کرتا ہوں تم پر۔ مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں تمہیں اتنی دور لے جاتا جہاں ان میں سے کوئی بھی تم تک نہیں پہنچ پاتا۔"

"میں تمہارے خوابوں میں ہاتھ تھام کر تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں اسامہ۔ ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتی"

"تم میرا واحد خواب ہو ڈی۔ جانتی ہو ناں تمہارے بغیر میرے لیے اس دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میں تم سے بہت بہت محبت کرتی ہوں اسامہ۔" دینہ نے پہلی دفعہ اپنے منہ سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز سے یہ ظاہر تو کرتی تھی وہ اسامہ سے محبت کرتی ہے مگر اس نے یہ الفاظ اپنے لبوں سے کبھی ادا نہیں کیے تھے۔ آج جب ادا کیے تو اسامہ سرپرائز سا ہوا اسے دیکھے گیا۔ "مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا۔"

"نیور۔" اسامہ نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

دینہ کو گھر آئے چند دن گزر گئے تھے۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ اسامہ کی نظر کا محور و مرکز بنی ہوئی تھی اور اسامہ کا بس نہیں چل رہا تھا کیسے اسے ہر وقت کچھ نہ کچھ کھلاتا رہے تاکہ وہ جلد از جلد ٹھیک ہو جائے۔

"اسامہ! اگر اب تم نے مجھے کچھ کھلانے کی کوشش کی ناں تو میں بتا رہی ہوں تمہارے ساتھ بہت برا ہوگا۔" دینہ نے اسے غضبناک انداز میں گھورا۔

"ڈاکٹر نے کہا تھا تمہیں بہت سا کھانا پینا چاہیے۔"

"ڈاکٹر نے یہ تو نہیں کہا تھا ناں کہ مجھے اسٹور سمجھ کر میرے اندر کھانا بھرتے چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہو جاؤ جلدی سے ورنہ میں نے باہر کوئی افیئر چلا لیا ناں تو شکایت مت کرنا۔"

"افیئر چلایا ناں تو گولی مار دوں گی۔ بھلے سکندر بھائی سے پستول ادھار ہی کیوں نہ مانگنی پڑے۔"

اسامہ نے اسے گھورا تو وہ ہنس پڑی۔

"آپ سے ملنے سکندر صاحب آئے ہیں۔" نادیہ نے کھلے دروازے پر دستک دے کر کہا تو دینہ پریشان ہو گئی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" اسامہ اٹھا۔

"نہیں۔" دینہ نے انتہائی تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "بھائی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ جانے وہ کس نیت سے آئے ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوتا ڈی۔ میں دیکھتا ہوں۔" اسامہ نے اسے تسلی دی۔

"نہیں، میں خود جاتی ہوں۔" دینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

اسامہ اور دینہ جب ڈرائنگ روم میں پہنچے تو دینہ نے سب سے پہلے اپنے بھائی کے ہاتھوں کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ ہاتھ میں پستول لیے تو نہیں کھڑے ہوئے۔ سکندر اس کی نظر پہچان گئے۔ ڈرائنگ روم میں تلخ سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دینہ کے سلام کا جواب انہوں نے دیا اور اسامہ سے مخاطب ہوئے۔ "کیا میں دینہ سے اکیلے میں بات کر سکتا ہوں؟"

"نہیں۔" اسامہ نے سخت آواز میں کہا۔

"میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"مجھے آپ کا اعتبار نہیں ہے۔" اسامہ کسی صورت دینہ کو ان کے ساتھ اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"سکندر بھائی اپنے الفاظ سے کبھی پھرتے نہیں ہیں اسامہ۔ اگر انہوں نے کہا ہے کہ یہ مجھے نقصان نہیں پہنچائیں گے تو تم ان کے لفظوں کا بھروسہ کر سکتے ہو۔" سکندر کے بولنے سے پہلے دینہ بولی تو سکندر کو لگا وہ مزید زمین میں گڑ گئے ہوں۔ اسامہ چاروناچار وہاں سے چلا گیا تو دینہ نے انہیں بیٹھنے کی دعوت دی اور خود ان سے الٹے رخ پر رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیسے آنا ہوا؟" دینہ نے خاموشی توڑی۔

"بہت حوصلہ کر کے تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔"

"کیوں؟"

"زیادتی کی ہے میں نے۔"

"گناہ کیا آپ نے۔ قتل گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ جانتے ہیں ناں آپ؟" دینہ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "غیرت کے نام پر اللہ نے جان لینے کی اجازت نہیں دی ہے نہ ہی ہمارے نبی ﷺ نے ایسا کوئی درس دیا ہے پھر آپ کو کیسے لگا کہ غیرت کے نام پر جان لینا آپ کا حق ہے؟"

"میں سچ نہیں جانتا تھا بہت غصے میں تھا میں۔ مجھے لگا تم کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہو۔"

"بھاگ جاتی تو بھی آپ مجھے قتل کرنے کا حق نہیں رکھتے تھے۔" دینہ کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

"میں معاف کر بھی دوں تو اس قتل کی معافی کیسے ملے گی آپ کو جو آپ نے سالوں پہلے کیا تھا اور جس سے آپ صرف اس لیے بچ گئے کیونکہ آپ کے پاس دولت اور طاقت اتنی ہے کہ آپ کے پستول سے نکلنے والی گولی کا کوئی حساب نہیں لے سکتا مگر اس دولت اور طاقت کے زعم میں آپ یہ بھول گئے ہیں سکندر بھائی کہ آپ صرف اس چند دن کی دنیا میں بچ سکتے ہیں مگر اللہ کی اس عدالت میں نہ تو آپ کا پیسہ آپ کے کام آئے گا اور نہ ہی آپ کی طاقت۔"

سکندر نے اسے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ دینہ ان کے زندگی کی ساری حقیقتوں سے آگاہی رکھتی ہے۔ "وہ معاملہ الگ تھا دینہ اور تمہارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تعلق تو ہے سکندر بھائی۔ آپ غیرت کے نام پر قتل کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں اسی لیے میں آپ کی گولی کا نشانہ بنی تھی ناں۔"

"میری منگیتر اگر کسی اور کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کرے تو کیا میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہوں گا؟" سکندر نے آنکھوں میں سختی بھر کر اس کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ کی منگیتر کو بھاگنے کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ کو صرف اتنا جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہی کیوں ہوئی ہے۔ عورت کو کوئی بھیڑ بکری سمجھ کر کسی بھی کھونٹے سے باندھنے سے پہلے آپ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس کی اجازت طلب کرنے کا حکم تو اللہ نے دیا ہے۔ عورت کی مرضی کے بغیر تو نکاح بھی قابل قبول نہیں ہوتا اور جب یہ اختیار اسے اللہ نے دے دیا ہے تو پھر آپ کی رسموں و رواج اللہ کے دیئے اختیار کے سامنے بالکل بے معنی ہیں۔"

سکندر اس کی بات سے اختلاف کرنا چاہتے تھے مگر چپ رہے۔
"تمہیں میں کیسے سمجھاؤں دینہ کہ کچھ رشتے مصلحتوں کے ہوتے ہیں۔"
"جو رشتے مصلحتوں سے باندھے جاتے ہیں ناں سکندر بھائی وہ ساری زندگی گلے میں پڑے پھندے کی طرح ہوتے ہیں جو دھیرے دھیرے گلے کے گرد سخت ہوتا جاتا ہے، نہ جینے دیتا ہے نہ مرنے دیتا ہے۔ ایسی مصلحتوں کا کیا فائدہ؟"
"تو کیا کروں آزاد کردوں اسے کیا؟" سکندر نے غصے سے پوچھا۔
"آزادی ان کا حق ہے۔ آپ اگر رشتہ نبھا نہیں سکتے ناں تو ان کا حق جان کر انہیں اس قید تنہائی سے رہائی دے دیں یا پھر نکاح میں کیے عہد کا پاس رکھتے ہوئے انہیں قبول کرلیں اور اگر خدا نے کبھی آپ کو بیٹی سے نوازا تو انسان سمجھ کر اس کے معاملات میں اس کی اجازت طلب کیجیے گا تا کہ آئندہ کبھی کسی سفینہ کو کسی دانیال کے پیچھے بھاگنا نہ پڑے اور آئندہ کوئی دانیال کسی سکندر کی گولیوں کا نشانہ نہ بنے۔"
سکندر ایک گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ دینہ نے ان کی ایک طویل مسافت کی طرف نشاندہی کر دی تھی اور اس راستے پر قدم رکھنے سے پہلے ابھی سوچنے کے لیے بہت وقت درکار تھا۔
"سکندر بھائی۔" سکندر نے اپنے پیچھے دینہ کی آواز سنی۔ "میں تو آپ کو معاف کردوں گی مگر جو گناہ آپ پہلے کر چکے ہیں اگر اس کا ازالہ آپ نے اب بھی نہ کیا تو یاد رکھیے گا اللہ کے حضور ان معاملات کی بڑی سخت پوچھ گچھ ہوگی۔"
سکندر سر جھکائے وہاں سے یہ سوچتے ہوئے چلے گئے کہ جس بہن کو وہ ہمیشہ نادان سمجھتے رہے وہ سمجھ کے معاملے میں کتنی منزلیں طے کر چکی ہے۔ ابھی اس سوچ کو پختہ ہونے اور قبول کرنے میں بہت وقت لگنا تھا کہ غیرت کے نام پر قتل کا اختیار جب اللہ نے کسی کو نہیں دیا تو وہ اپنا حق سمجھ کر کیسے استعمال کرتے رہے ہیں۔

❁......ختم شد......❁